۱۸۴۴ء کے معیشی وفلسفیانہ مسودات

کارل مارکس

ترجمہ: حبیب اللہ

مقدمہ

میں جرمن-فرانسیسی سالنامے میں ہیگل کے فلسفۂ قانون کی تنقید کی صورت میں علمِ قانون اور سیاسیات کی تنقید پیش کر چکا ہوں۔اسے اشاعت کے لیے تیار کرنے کے دوران فقط speculation کے خلاف باندھی گئی تنقید کا مختلف موضوعات کی تنقید کے ساتھ خلط ملط ہونا سراسر ناموزوں ثابت ہوا۔یہ (کجی) تنقید کی پیش رفت میں رخنہ انداز ہوئی اور تفہیم کو دقیق کر دیا۔مزید برایں زیرِ بحث موضوعات کی مالا مالی اور تلون کو ایک تصنیف میں فقط ایک خالصتاً مقولاتی اسلوب میں ہی سمویا جاسکتا تھا،جبکہ اس نوع کی مقولاتی پیش کش من مانی نظام سازی کا تأثر دیتی۔اس لیے میں پہلے قانون،اخلاقیات،سیاسیات وغیرہ کی تنقید کو جداگانہ اور الگ تھلگ کتابچوں میں شائع کروں گا اور پھر ایک خاص تصنیف میں ان جداگانہ اجزاء کے آپسی تعلق کو آشکار کرتے ہوئے انہیں ایک مربوط کُل کے بطور پیش کروں گا اور بالآخر اس مواد کی فلسفیانہ تشریح کی تنقید پر قلم اٹھاؤں گا۔برایں سبب (قارئین) ملاحظہ کریں گے کہ سیاسی معیشت اور ریاست،قانون،اخلاقیات،مدنی زندگی وغیرہ کے مابین آپسی تعلق کو اس تحریر میں صرف اس حد تک چھیڑا گیا ہے جتنا کہ بذاتِ خود سیاسی معیشت صریحاً ان موضوعات کو چھیڑتی ہے۔

سیاسی معیشت سے آگاہ قاری کی اس یقین دہانی کی مطلق ضرورت نہیں کہ میرے نتائج ایک کلیتاً تجرباتی تجزیے سے اخذ کیے گئے ہیں جو کہ سیاسی معیشت کے دیانتدارانہ مطالعے پر مبنی ہے۔

{جبکہ ناآگاہ مبصر مثبت تنقید نگار کے سر پر ''یوٹوپیائی جملہ'' دے مارتا ہے اور اس طرح وہ اپنی مطلق جہالت اور ذہنی افلاس کی چھپانے کوشش کرتا ہے۔یا پھر وہ جملے تراشتا ہے ''کتنا کھرا''، 'کتنا بے باک''،کتنا تنقیدی انتقاد''، ''نہ کہ صرف قانونی بلکہ سماجی-سراسر سماجی-سماج،۔۔۔۔۔اس مبصر کو ابھی اس کا پہلا ثبوت فراہم کرنا ہے کہ علاوہ الٰہیاتی خانگی معاملات کی اس کے پاس دنیاوی معاملات کی بحث میں حصہ ڈالنے کے لیے کچھ ہے۔}(2)

یہ کہنے کہ چنداں ضرورت نہیں کہ میں نے علاوہ فرانسیسی اور انگریز سوشلسٹوں کی تحریروں کے جرمن سوشلست تحریروں سے بھی مدد لی ہے۔تاہم وائٹلنگ کی تحریروں کے علاوہ اس علم پر اہمیت کی حامل

اور یجنل جرمن تحریریں ہس کے ''اکیس شیٹوں'' (3) میں شائع ہونے والے مضامین اور اینگلز کی جرمن فرانسیسی سالنامے (جس میں میں نے بھی اس تحریر کے بنیادی عناصر کی طرف بڑے عمومی انداز میں اشارہ کیا ہے) میں شائع ہونے والی ''سیاسی معیشت کی تنقید کے نکات'' (4) ہیں۔

ان مصنفین کا احسان مند ہونے کے علاوہ، جنہوں نے سیاسی معیشت کو تنقیدی توجہ دی، مجموعی طور پر مثبت انتقاد، اور اسی طرح معیشت کا جرمن مثبت انتقاد بھی، اپنی سچی بنیاد فیور باخ کی تحریروں میں پاتا ہے اور یہ فیور باخ ہی ہے جس کی ''مستقبل کا فلسفہ'' اور anecdotis (5) میں ''فلسفے کی اصلاح پر مقالہ'' کے خلاف، اس سے خاموش استفادے کے باوجود، کچھ کے دبے رشک اور کچھ کے کھلے طیش نے خاموشی کی ایک باقاعدہ سازش کو ہوا دی ہے۔

یہ فیور باخ ہی ہے جس سے مثبت انسانیاتی اور فطریاتی انتقاد کا آغاز ہوتا ہے۔ فیور باخ کی تحریریں جتنا کم شور شرابا کرتی ہیں ان کا اثر اتنا ہی زیادہ یقینی، عمیق، وسیع اور دیرپا ہوتا ہے۔ ہیگل کی مظہریات اور منطق کے بعد یہ وہ واحد تحریریں ہیں جو حقیقی نظریاتی انقلاب کی حامل ہیں۔

ہمارے زمانے کے تنقیدی الٰہیات دانوں (6) کے برخلاف، میں اس تحریر کے آخری باب یعنی ''ہیگل کی جدلیات اور ہیگل کے کلی فلسفے کی تنقیدی بحث کو غایت درجہ ضروری سمجھتا ہوں۔ یہ ایک ایسا فریضہ ہے جو ابھی تک انجام نہیں دیا گیا۔ کلیت کی یہ کمی اتفاقی نہیں ہے، کیونکہ تنقیدی الٰہیات دان بھی الٰہیات دان ہی رہتا ہے۔ اس لیے اسے یا تو فلسفے کی کچھ پیش قیاسیوں سے شروعات کرنا پڑتی ہے جنہیں مستند مان لیا گیا ہے یا اگر تنقیدی عمل میں، اور دوسرے لوگوں کی دریافتوں کے نتیجے میں ان فلسفیانہ پیش قیاسیوں کے بارے میں اس (کے ذہن) میں شبہات جنم لیتے ہیں تو وہ انہیں ایک بزدلانہ اور unwarrentable انداز میں چھوڑ دیتا ہے، ان سے منہ موڑ لیتا ہے اور اس طرح وہ ان پیش پیش قیاسیوں ان پیش قیاسیوں پر کے غلامانہ انحصار اور اس پست ہمتی پر اس کی محض ایک منفی، غلامانہ اور سفلسطہ آمیز خفگی کو آشکار کرتا ہے۔

{تنقیدی الٰہیات دان ایسا یا تو اپنی تنقید کے کھرے پن (purity) کے بارے میں اپنی تقین دہانیوں کو مسلسل دہراتے ہوئے کرتا ہے یا یا پھر ایسا تأثر پیدا کرتے ہوئے کرتا ہے جیسے اب انتقاد کے لیے جو کچھ بچا تھا اس کے (دائرۂ عمل) کے باہر کوئی دوسری قسم کی تنقید (جسے اٹھارہویں صدی کی تنقید) اور

ساتھ ہی عوام کی کج فہمیاں تھیں۔ایسا کرتے ہوئے وہ اپنے قارئین اوران کے اتھ اپنی توجہ کوانتقاد اوراس کے سرچشمے (یعنی ہیگل کی جدلیات اور مجموعی طور پر جرمن فلسفے) کے درمیان مفاہمت کرنے کے ضروری فریضے،یعنی جدید انتقاد کی اس کی اپنی خامی اور بچے پن سے بالا لازمی اٹھان، سے ہٹان چاہتا ہے۔تاہم بالآخر جب بھی اس کی اپنی فلسفیانہ پیش قیاسیوں کی نوعیت کے متعلق (مثلاً فیور باخ جیسی) دریافتیں سامنے آتی ہیں تو کہ تنقیدی الٰہیات دان یہ تأثر پیش کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ جیسے وہ یہ وہی تھا ہے جس نے اسے مکمل کیا ہے۔اس دریافتوں کے نتائج سے ایسا تأثر پیدا کر کے اور پھر انہیں آگے بڑھانے کی اہلیت نہ رکھتے ہوئے وہ انہیں تکیہ ہائے کلام کی صورت میں ان مصنفین پر دے مارتا ہے جو ابھی تک فلسفے کی بیڑیوں میں جھکڑے ہوئے ہیں۔اسی طرح وہ ان دریافتوں سے متعلق اپنے احساسِ فوقیت کے حصول میں بھی جزواً کامیاب رہتا ہے۔وہ ایسا ایک پُراسرار اور ایک کینہ پرور اور متشکک انداز مین ہیگل کی جدلیات کے ایسے عناصر پر رائے زنی کرتے ہوئے کرتا ہے جنہیں وہ ابھی اس جدلیات کی تنقید سے بے بہرہ پاتا ہے اور جو ابھی تک

(which have not yet been critically served up to him for his use) against such criticism – not having tried to bring such elements into their proper relation or having been capable of doing so, asserting, say, the category of mediating proof against the category of positive, self-originating truth, [...] in a way peculiar to Hegelian dialectic.

کیونکہ الٰہیاتی نقاد کے یے تو یہ بڑا فطری ہے کہ سارا کام تو فلسفہ کردے اور وہ کھرے پن، بے باکی سراسر تنقید انتقاد کے متعلق بگاڑتا پھرے۔اور وہ خود کو فلسفے کو فاتح سمجھنے لگتا ہے جب اسے ہیگل (7) کے ہاں کوئی ایس عنصر ملتا ہے جو فیور باخ میں ناپید ہے۔کیونکہ الٰہیاتی نقاد ''خود شناسی'' اور ''ذہن'' کی روحانی پرستش کی جتنی بھی مشق کرلے وہ جذبے سے شعور کی طرف نہیں بڑھ پاتا۔(8)

دقتِ نظر سے جائزہ لینے پر الٰہیاتی تنقید (جو اگرچہ تحریک کے آغاز میں اصلاً ترقی پسند تھی) آخری تجزیے میں ایک الٰہیاتی caricature کے ساتھ بٹے ہوئے پرانے فلسفیانہ اور خاص طور پر ہیگلیائی

ماورائیت کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ تاریخی انصاف کی یہ دلچسپ مثال جس نے الٰہیات (جو ہمیشہ فلسفے کا داغِ ناسور رہی ہے) اپنے آپ میں فلسفے کی منفی تحلیل- اس کی فنا کے عمل- کی تصویر کشی کا فریضہ سونپا ہے، اس تاریخی انتقام پر کسی اور موقع پر اظہارِ خیال کروں گا۔

{دوسری طرف فلسفے کی نوعیت سے متعلق فیور باخ کی دریافتیں کسی حد تک اب بھی، کم از کم ان کے ثبوت کے لیے، فلسفیانہ جدلیات کی تنقیدی بحث کا تقاضا کرتی ہیں، میری توضیح سے خود بخود آشکار ہو جائے گا۔}

محنت کی اجرتیں

اجرتیں سرمایہ دار اور مزدور کے درمیان معاندانہ کشمکش سے متعین ہوتی ہیں۔ سرمایہ دار مزدور سے زیادہ عرصہ تک گزران کرسکتا ہے جبکہ مزدور سرمایہ دار کے بغیر کہیں کا نہیں رہتا۔ سرمایہ داروں کے مابین گٹھ جور روایتی اور مؤثر مانا جاتا ہے جبکہ مزدوروں کا گٹھ جوڑ ممنوع ہے اور اپنے نتائج میں ان کے لیے اندوہ ناک ثابت ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں زمین دار اور سرمایہ دار اپنی آمدنیوں میں اضافہ کرنے کے لیے صنعتی مفائد کو کام میں لا سکتے ہیں جبکہ مزدوروں کے پاس اپنی گاڑھی آمدنی میں اضافے کے لیے نہ تو لگان ہے اور نہ سرمائے پر منافع۔ اس لیے صرف مزدور کے لیے سرمائے، زمینی ملکیت اور محنت کی تفکیک (separation) ایک ناگزیر، لازمی اور زیاں آور تفکیک بنتی ہے۔ اس تجرید میں سرمائے اور زمین کا متعین رہنا اتنا ضروری نہیں جتنا کہ مزدوروں کی محنت کا ہے۔ سرمائے، لگان اور محنت کی تفکیک مزدور کے لیے مہلک کن ہے۔

کم ترین اور واحد ضروری شرح اجرت مزدور کی ضروریاتِ زندگی یا اس کے اس کے کام کے دورانیے کے علاوہ اتنا کچھ فراہم کرنا ہے ایک کنبے کی کفالت اور مزدوروں کی نسل کو معدوم ہونے سے بچائے رکھنے کے لیے کافی ہے۔ سمتھ کے مطابق۔۔۔۔۔

آدمیوں کی طلب آدمیوں کی پیداوار پر ویسے ہی اثر انداز ہوتی جیسے کہ یہ تمام دیگر اشیاء (کی پیداوار) پر ہوتی ہے۔ اگر رسد طلب سے کئی درجہ بڑھ جائے کو مزدوروں کی ایک جماعت کو گداگری اور فاقہ کشی کی لعنت سے دوچار ہونا پڑے گا۔ اس طرح مزدور کے وجود پر بھی اسی اصول کا اطلاق ہوتا ہے جو تمام دیگر اشیاء پر لاگو ہے۔ مزدور ایک شے بن گیا ہے اور اسے اس کی خوش قسمتی ہے سمجھئے جو اسے ایک خریدار مل جائے۔ اور طلب، جس پر مزدوروں کی زندگی منحصر ہے، کا انحصار منعم اور سرمایہ دار کی موج پر ہے۔ اگر رسد طلب سے تجاوز کر جائے تو قیمت کے تشکیلی اجزاء (یعنی منافع، کرایہ زمین اور اجرتوں) میں سے ایک کو اس کے حصے سے کم ملتا ہے۔ اس طرح ان عوامل کے ایک حصے کو اس عمل سے ہٹا دیا جاتا ہے اور منڈی کا نرخ اس طرح معمول کے نرخ کے طرف کھنچا چلا جاتا ہے کہ جیسے یہ اس کا نقطۂ ثقل ہے۔ لیکن جہاں 1 کہیں ایک نمایاں تقسیم کار ہو وہاں مزدور کے لیے دیگر شعبوں میں اپنی محنت لگانا مشکل ہو جاتا ہے اور 2 سرمایہ دار کے ساتھ اس کے ماتحت تعلق کی وجہ سے وہ پہلا زیاں کار بن جاتا ہے۔

اس طرح منڈی کے نرخ کی معمول کے نرخ کی جانب کشش سے یہ مزدور ہی ہے جو سب سے زیادہ اور لا زماً خسارے میں رہتا ہے اور سرمایہ دار کے بس میں ہے کہ وہ اپنے سرمائے کو کسی دوسرے کام (channal) میں لگا دے، جس مزدور مزید بے کس ہو جاتا ہے جو محنت کے ایک مخصوص شعبے تک محدود ہے یا اسے مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ اس سرمایہ دار کے ہر تقاضے کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دے۔

منڈی کے نرخ میں اتفاقی اور ناگہاں اتار چڑھاؤ کرایہ زمین کو قیمت کے اس حصہ سے کم صدمہ دیتے ہیں جو منافع اور اجرتوں میں تحلیل ہوتا ہے۔ لیکن وہ اجرتوں کی منافع سے بھی زیادہ صدمہ دیتے ہیں ۔اکثر معاملات میں ایک اجرت، جو بڑھتی ہے، ایک برقرار رہتی ہے اور ایک گر جاتی ہے۔

ضروری نہیں کہ جب سرمایہ دار کو فائدہ ہو تو مزدور کی بھی فائدہ ہو، لیکن اسے خسارہ ضرور اٹھانا پڑتا ہے جبکہ اول الذکر کو خسارہ ہوتا ہے ۔اسی طرح مزدور کی کوئی فائدہ نہیں ہوتا اگر سرمایہ دار کسی پیداواری یا تجارتی راز اجارہ داری یا پھر اس کی ملکیت کے موزوں موقع محل کی وجہ سے منڈی کے نرخ کو معمول کے نرخ سے بلند رکھنے میں کامیاب ہو جائے۔

مزید برآں، محنت کے نرخ اشیائے خورد ونوش کے نرخوں سے کہیں زیادہ مستقل ہوتے ہیں ۔اکثر اوقات تو ان میں معکوس تناسب ہوتا ہے ۔مہنگائی کے سالوں میں طلب میں کمی کی وجہ سے اجرتیں گھٹ جاتی ہے لیکن اشیائے خورد ونوش کے نرخوں میں اضافے سے ان میں بھی اضافہ ہو جاتا ہے اور اس طرح توازن برقرار ہو جاتا ہے۔ معاملہ کچھ بھی ہو، مزدوروں کی ایک تعداد نانِ جویں سے محروم ہو جاتی ہے۔ سستے سالوں میں طلب کے بڑھنے پر اجرتیں بھی بڑھ جاتی ہیں لیکن اشیائے خورد ونوش کے سستا ہونے سے ان میں بھی کمی آجاتی ہے اور اس طرح ایک بار پھر توازن برقرار رہتا ہے۔1

ایک اور معاملہ ایسا ہے جس میں مزدور خسارے میں رہتا ہے ۔مختلف النوع کام کرنے والے مزدوروں کی محنتوں کے نرخ میں (کام کی) ان متلف برانچوں کی بہ نسبت کہیں زیادہ فرق دکھائی دیتا ہے۔ محنت میں انفرادی سرگرمی کا تمام تر فطری، روحانی اور سماجی تنوع اظہار پاتا ہے۔ اور اس کے صلے میں بھی فرق ہوتا ہے جبکہ جامد سرمایہ حقیقی انفرادی سرگرمی سے ہمیشہ وہی بے مہری اور لاغرضی کا اظہار کرتا ہے۔

عمومی اعتبار سے یہ امر لائقِ مشاہدہ ہے کہ وہ معاملات جن میں مزدور اور سرمایہ دار دونوں کو خسارہ

اٹھانا پڑتا ہے وہاں مزدور کا وجود خطرے میں ہوتا ہے جبکہ سرمایہ دار کو اپنے جامد دھن دیو پر نفع کا نقصان ہی اٹھانا پڑتا ہے۔

مزدور کو نہ صرف اپنی بقائے حیات کے ذرائع کے لیے جان لڑانی پڑتی ہے بلکہ اسے کام کے حصول (یعنی اپنے عمل کے امکان، ذریعہ اور انجام دہی) کے لیے بھی مارا مارا پھرنا پڑتا ہے۔ ہم تین اہم صورتِ احوال کا جائزہ لیتے ہیں، جن میں معاشرہ خود کو پاتا ہے، اور ان میں مزدور کی حالت پر غور کرتے ہیں۔1

ا۔ اگر معاشرے کے دولت زوال آمادہ ہو تو مزدور کو سر سے زیادہ کسر لگتی ہے کیونکہ اگرچہ مزدور کو اتنا فائدہ نہیں ملتا جتنا کہ معاشرے کے خوش حال دور میں ملکیت داروں کے طبقے کو حاصل ہوتا ہے، لیکن اس (معاشرے) کے دورِ زوال میں (کوئی طبقہ) اتنی بیدادانہ کسر نہیں اٹھاتا جتنی کہ مزدور کو اٹھانا پڑتی ہے۔

۲۔ اب ایک ایسے معاشرے کے مثال لیں جس میں دولت میں اضافہ ہو رہا ہے۔ یہ وہ واحد سازگار صورت ہے جو کہ مزدور کے لیے سازگار ہے۔ یہاں سرمایہ داروں کے مابین مقابلے کی فضا بن جاتی ہے۔ مزدوروں کی طلب ان کی رسد سے بڑھ جاتی ہے لیکن: اولاً تو اجرتوں میں اضافہ مزدوروں میں کارِ زیادکی چاہ بڑھاتا ہے۔ جتنی ان میں کامانے کی چاہ بڑھتی جاتی ہے اتنا ہی انہیں اپنا وقت لگانا پڑتا ہے اور کارِ غلاماں جاری رکھنا پڑتا ہے۔ ہوس کے دیوتا کو وہ اپنی آزادی بھینٹ چڑھا دیتے ہیں اور اس طرح اپنی زندگیاں گھٹا لیتے ہیں۔ ان کے عرصۂ حیات میں یہ کمی مجموعی طور پر مزدور طبقے کے لیے ایک سازگار صورتِ حال ہے کیونکہ اس کے نتیجے میں ایک دائم تازہ دم رسدِ محن ضروری بن جاتی ہے۔ اس طبقے کی مکمل تباہی سے بچنے کے لیے ہمیشہ اپنے ایک حصہ کی قربانی دینی پڑتی ہے۔

علاوہ ازیں، ایک معاشرے کب خود کو افزونئ دولت کی حالت میں پاتا ہے؟ جب ملک کے سرمائے اور مالیے بڑھ جاتے ہیں۔ لیکن یہ تبھی ممکن ہے جب:

(a) زیادہ محن کے اجماع کے نتیجے کے بطور سرمایہ، جو کہ اجماع شدہ محنت ہے، اور سی طرح اس حقیقت کے نتیجے کے بطور کہ اس کی ۔۔۔۔۔۔ یہ کہ ایک بڑھتی ہوئی حد تک اس کی اپنی محنت کسی دوسرے کی ملکیت کے بطور اس کے مدِ مقابل ہو جاتی ہے اور اس کی بقاء کے ذرائع اس اس کی سرگرمی کی دوڑ پر سرمایہ دار کا اختیار بڑھتا جاتا ہے۔

(b) سرمائے کا اجماع تقسیمِ کار کو بڑھا دیتا ہے اور تقسیمِ کار مزدوروں کی تعداد میں اضافہ کر دیتی ہے۔ اس

کے برعکسی مزدوروں کے تعداد میں اضافہ تقسیمِ کار کو بڑھا دیات اہے ۔بعینہٖ تقسیم کار سرمایہ کی اجماع میں اضافہ کر دیتی ہے۔ایک طرف تقسیمِ کار اور دوسری طرف سرمایہ کے ارتکاز سے مزدور محنت کا ایک مخصوص، انتہائی یک رخی، مشین جیسی محنت کا زیادہ سے زیادہ مطیع بنتا جاتا ہے، جیسے کے اس طرح اس کا روحانی اور جسمانی انحطاط کر کے اسے ایک مشین بنا دیا جاتا ہے اور انسان ہونے کی بجائے وہ ایک مجرد سر گرمی اور ایک پوٹا (stomach) بن جاتا ہے۔اسی طرح وہ منڈی کے نرخ میں کمی بیشی، سرامئے کے استعمال اور منعم کی منوڈ کا بھی مطیع بنتا جاتا ہے۔اس طرح لوگوں کے اس طبقے میں بڑھوتری، جس کی روزی روٹی ی کام سے چلتی ہے، ان کے مابین مقابلے کو شدید کر دیتی ہے اور ان کے نرخ کم ہوتے جاتے ہیں۔ فیکٹری نظام میں مزدور کی یہ حالت اپنے عروج کی پہنچ جاتی ہے۔

(c) ایک دوز افزوں خوشحال ہوتے معاشرے میں امیر ترین لوگ ہیں نفع زر پر اپنی بقائے حیات کا سامان کرتے رہ سکتے ہیں۔جبکہ دوسرے (سرمایہ داروں) کو اپنے سرمائے سے کاروبار کرنا پڑتا ہے یا تجارت میں قسمت آزمائی کرنا پڑتی ہے ۔نتیجتاً سرمایوں کے درمیان مقابلہ شدت اختیار کر جاتا ہے۔سرمایوں کا ارتکاز بڑھتا جاتا ہے۔ بڑے سرمایہ دار چھوٹوں کی بر باد کر دیتے ہیں اور سابقہ سرمایہ داروں کی ایک جماعت مزدور طبقے میں غرق ہو جاتی ہے، جو اس کے نتیجے میں کسی حد تک اجرتوں میں کمی کا صدمہ برداشت کرتا ہے اور معدودے چند بڑے سرمایہ داروں کا مزید دستِ نگر بنتا چلا جاتا ہے۔جوں جوں سرمایہ داروں کی تعداد گھٹتی چلی جاتی ہے مزدوروں کے لیے ان کی مقابلہ بازی کا وجود ہی ختم ہوتا جاتا ہے جبکہ مزدوروں کی تعداد میں جوں جوں اضافہ ہوتا جاتا ہے، ان کی آپسی مقابلہ بازی اور زیادہ شدید ،غیر فطری اور پُر تشدد ہوتی جاتی ہے۔نتیجتاً مزدور طبقے کی ایک جماعت کا گداگری اور فاقہ کشی مقدر بن جاتی ہے۔بعینہٖ جیسے متوسط سرمایہ داروں کی ایک جماعت کو مزدور طبقے میں شامل ہوتا پڑتا ہے۔

اسی طرح معاشرے کی اس حالت، جو بھی مزدور کے لیے سازگار ہے، مزدور کا ناگزیر حاصل کارِ زیاد بے وقت موت، محض ایک کل بن جانا، سرمایہ (جو اس کے خلاف ایک مہیب افریت بنتا جاتا ہے) کی غلامی، زیادہ مقابلہ باز یاور مزدوروں کی ایک جماعت کا گداگر اور فاقہ کش بن جانا ہے۔

اجرتوں مین اضافہ مزدور میں سرمایہ دار کا سا امیر بننے کا جنوں جگاتا ہے جسے وہ اصرف اپنے ذہن اور جسم کو قربانی سے پورا کر سکتا ہے۔اجرتوں میں اضافہ سرمایوں میں کے ارتکاز کی پیش قیاسی کرتا ہے اور

اسے واجب بنا دیت اہے اور اس طرح مصنوعۂ محنت کو مزدور کے خلاف ایک ایسی چیز بنا دیا تہے جو اس سے ہمہ دم مغیر ہوتی جاتی ہے۔

اسی طرح تقسیمِ کار اسے زیادہ سے زیادہ یک رخا اور مطیع بنا دیتی ہے اور اپنے جلو میں نہ صرف انسانوں کی بلکہ مشینوں کی مقابلہ بازی بھی لیے آتی ہے۔ چونکہ مزدور ایک مشین کے درجے تک گر جاتا ہے تو اسے ایک مقابلہ باز کی طرح مشین کے مدِ مقابل کیا جا سکتا ہے۔ نتیجتاً، چونکہ سرمائے کا بے پناہ ارتکاز مقدارِ محن اور اس طرح مزدوروں کی تعداد کی بھی بڑھا دیتا ہے۔ اس لیے یہ اسی مقدارِ محنت کی زیادہ بڑے پیمانے پر مصنوعات کی پیداوار کا سبب بنتا ہے۔ جو کہ زائد پیداوار کا موجب بنتی ہے اور اس طرح اس کا انجام یا تو مزدوروں کی ایک بڑی جماعت کو پیداواری عمل سے نکال باہر کرنے پر یا ان کی اجرتوں کی بے چارگی کی حدوں تک تکم کونے پر ہوتا ہے۔ یہ ہیں معاشرے کی اس صورتِ حال کے نتائج جو مزدور کے لیے سازگا ہیں، یعنی سرمایہ داری کے بڑھنے اور پھلنے پھولنے کی صورت حال۔ تاہم، بالآخر یہ حالت ترقی جلد یا بدیر اپنے کمال کو پہنچ جاتی ہے۔ تو پھر مزدور کا کیا بنتا ہے؟

۳۔ ایسے ملک میں جس نے اپنی دولت کے درجۂ کمال کو پالیا ہے محنت کی اجرت اور خام مال کا نفع بہت کم ہوں گے۔ روزگار کے لیے مزدوروں کے مابین مقابلہ بازی اتنی بڑھ جائے گی کہ اجرتیں اس درجہ کم ہو جائیں گی کہ وہ مزدوروں کی دی گئی تعداد کی گزراوقات کے لیے ہی کافی ہوں گی۔ اور چونکہ ملک کی آبادی پہلے ہی کافی بڑھ چکی ہوگی اس لیے اس تعداد کی بڑھانا محال ہو جائے گا۔ 1 اس زائد تعداد کو مرنا ہوگا۔

اس طرح معاشرے کے زوال آمادہ صورتِ حال اپنے جلو میں مزدور کی روز افزوں مفلوک الحالی لاتی ہے۔ ترقی پذیر حالت میں یہ مفلوک الحالی پیچیدگیوں کے جلو میں آیت ہے جبکہ مکمل ترقی یافتہ حالت میں یہ جامد مفلوک الحالی بن جاتی ہے۔

تاہم چوں کہ سمتھ کے مطابق وہ معاشرہ خوش حال نہیں جس کا بڑا حصہ مفلول الحال ہو 2 (پھر بھی معاشرے کی کمال درجہ امیرانہ حالت بھی اکثریت کی اس ابتلا کا باعث بنتی ہے) اور چونکہ معاشی نظام (اور مجموعی طور پر ذاتی مفاد پر مبنی معاشرہ) ایک انتہا درجہ امیرانہ حالت کا باعث بنتا ہے تو اس سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ معاشی نظام کا مقصد معاشرے کو ناخوشحال بنانا ہے۔

مزدوراور سرمایہ دار کے درمیان تعلق سے متعلق یہ کہا جانا چاہیے کہ سرمایہ دار کواوقاتِ کار میں کٹوتی کر کے اجرتیں بڑھانے سے نسبتاً زیادہ فائدہ حاصل ہوتا ہے۔اور یہ کہ اجرتوں میں اضافہ اور نفعِ زر میں اضافہ علی الترتیب سادہ اور مرکب نفع کی طرح اشیاء کی قیمت پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

آیئے اب ہم سیاسی معیشت دان کا نقطۂ نظر اپنا لیتے ہیں اور مزدوروں کے نظریاتی اور عملی مطالبات کے موازنے میں اس کی پیروی کرتے ہیں۔

وہ ہمیں بتاتا ہے کہ اصلیت اور نظریے میں محنت کی تمام تر پیداوار مزدور کی ملکیت ہے۔لیکن ساتھ ہی وہ ہمیں یہ بھی بتاتا ہے کہ حقیقت میں مزدور کو جو کچھ ملتا ہے وہ اس مصنوعہ کا خفیف ترین اور انتہائی ناگزیر حصہ ہے،اتنا تھوڑا کہ جتنا اس کے (ایک انسان کی طرح نہیں بلکہ ایک مزدور کی طرح) زندہ رہنے اور (انسانیت کی نہیں بلکہ مزدوروں کے غلام طبقے) کی افزائش کے لیے ضروری ہے۔

سیاسی معیشت دان ہمیں بتاتا ہے کہ ہر شے محنت سے خریدی جاتی ہے اور سرمایہ ماسوا اجماع شدہ محنت کے کچھ نہیں ہے لیکن ساتھ ہی وہ ہمیں یہ بھی بتاتا ہے کہ مزدور کو ہر شے خریدنے کے اہل بننے کے برخلاف اپنی ذات کو اور اپنی ذات کو اور اپنی انسانی شناخت کو ہی بیچ دینا چاہیے۔

جہاں کاہل زمین دار کا لگان عموماً زمین کی پیداروار کے تیسرے حصے تک پہنچ جاتا ہے اور مستعد سرمایہ دار کا نفع روپے پر نفع سے دگنا ہو جاتا ہے وہاں انتہائی سازگار حالات میں مزدور ''اتنا کچھ'' ہی کما پاتا ہے جو اتنا ناکافی ہوتا ہے کہ ان کے چار بچوں میں سے دو کو فاقہ کشی اور موت کا لقمہ بننا پڑتا ہے۔سیاسی معیشت دان کے مطابق یہ محنت ہی ہے جس سے ناسن فطرتی اشیاء کی قدر دو چند کرتا ہے،جبکہ محنت انسان کے متحرک ملکیت ہے تو اس سیاسی معیشت کے مطابق زمین دار اور سرمایہ دار، جو بطور زمین دار اور سرمایہ دار محض مراعات یافتہ اور ناکارہ دیوتا ہیں، ہر جگہ مزدور سے برتر ہیں اور اس کے لیے قانون وضع کرتے ہیں۔

جبکہ سیاسی معیشت دان کے مطابق محنت ہی اشیاء کو واحد مستقل قیمت ہے تو (یہ بھی سچ ہے کہ) محنت کی قیمت سے زیادہ کوئی چیز بھی اتفاقات کی زد میں نہیں ہے،کوئی چیز بھی (اس سے) زیادہ اتار چڑھاؤ کا شکار نہیں بنتی۔

جہاں تقسیمِ کار محنت کی پیداوار کی بڑھاتی ہے،معاشرے کی دولت اور شائستگی میں اضافہ کرتی ہے

وہاں یہ مزدوروں کو کنگال کر دیتی ہے اور ایک مشین بنا دیتی ہے۔ جہاں محنت سرماؤں کے اجماع اور اس کے ساتھ معاشرے کی خوشحالی میں اضافے کا باعث بنتی ہے وہاں یہ مزدور کو سرمایہ دار کا زیادہ سے زیادہ دستِ نگر بنا دیتی ہے، اسے ایک نئی کشمکش کی حامل مقابلہ بازی میں جونک دیتی ہے اور اسے زائد پیداوار اور اس کی ازیں بعد نتائجی کساد بازاری کی طرف اندھا دھند بھگائے لیے جاتی ہے۔

جبکہ سیاسی معیشت دان کے مطابق مزدور کبھی معاشرے کے مفاد کے مخالف نہیں ہوتا، معاشرہ ہمیشہ اور لازمی طور پر مزدور کے مفاد کے مخالف ہوتا ہے۔

سیاسی معیشت دان کے مطابق، مزدور کا مفاد کبھی معاشرے کے مخالف نہیں ہوتا (۱) کیونکہ (بالا ذکر تمام معلومات سمیت) اجرتوں میں اضافے کا ازالہ اوقاتِ کار مین کٹوتی کے ذریعے ہو جاتا ہے اور (۲) کیونکہ معاشرے کے ساتھ تعلق میں تمام تر گراس (gross) پیداوار ہی نٹ (net) پیداوار ہے اور صرف ایک نجی فرد کے ساتھ تعلق میں ہی یہ ''نٹ پیداوات'' کسی اہمیت کی حامل بن سکتی ہے۔

لیکن یہ کہ محنت بذاتِ خود، نہ صرف موجودہ حالات میں بلکہ عمومی (حالات) میں بھی، جہاں تک کہ اس کا مقصد محض دولت میں اضافہ ہے (یہ کہ، میں کہتا ہوں، دولت اپنے آپ میں نقصان دہ اور ازاں رساں ہے)

نظریۂ لگان اور سرمائے پر نفع وہ کٹوتیاں ہے جو اجرتوں کی سہنا پڑتی ہیں۔ یا ہم وقیعی حقیقت یہ ہے کہ اجرتیں وہ کٹوتی ہین جو زمین اور سرمایہ مزدور کے حصے میں جانے دیتے ہیں، یہ محنت کی مصنوعہ کی طرف سے مزدروں یعنی محنت کے لیے ایک عنایت ہے۔

جب معاشرہ زوال آمادہ ہوتا ہے تو مزدور ہی کو زیادہ شدت سے اس کا بھگتان بھوگنا پڑتا ہے۔ اس کے بوجھ کا مخصوص دباؤ بحیثیت مزدور (معاشی) حالت کا نتیجہ ہے لیکن بذاتِ خود نوجھ معاشرے کی (ابتر) حالت کا نتیجہ ہے۔

لیکن جب معاشرہ مائل بہ ترقی ہوتا ہے تو مزدور کی بربادی اور کنگال پن اور کی محنت اور اس کے پیدا

ہونے والی دولت کی پیداوار ہوتے ہیں۔اس طرح یہ مفلوک الحالی دورِحاضر کے جوہر کی ہی دین ہے۔

معاشرے میں دولت کی زیادہ سے زیادہ ریل پیل،ایک اعلیٰ ترین منزل،لیکن ایسی (منزل) کہ جسے کم وبیش حاصل کر ہی لیا جاتا ہے اور مدنی معاشرے کی طرح سیاسی معیشت کا کم سے کم مقصد ہے ،مزدوروں کی جامند مفلوک الحالی کا سامان ہے۔

یہ کہنے کر چنداں ضرورت نہیں کہ پرولتاری،یہ وہ آدمی جو نہ سرمایہ اور نہ ہی لگان رکھتا ہے،صرف محنت کے سہارے زندہ ہے اور ایک یک رخی مجرد محنت کے ذریعے سیاسی معیشت اسے صرف ایک مزدور گردانتی ہے۔اس طرح سیاسی معیشت یہ تجویز کرسکتی ہے کہ ایک پرولتاری کو گھوڑے کی طرح اتنا ہی ملنا چاہیے جو اسے کام کرتے رہنے کے قابل بنائے رکھے۔وہ اسے چنداں لائقِ اعتنا نہیں سمجھتی جبکہ وہ وہ کام نہیں کر رہا ہوتا اور ایک انسان ہوتا ہے۔بلکہ وہ اس طرح کا غور وخوض criminal law، ڈاکٹروں، مذہب، شماریاتی جدولوں،سیاست اور محتاج خانوں کے داروغے کے لیے اٹھا رکھتی ہے۔

آیئے اب ہم سیاسی معیشت کی سطح سے بلند ہوتے ہوئے بالا رقم تشریح (جسے قریب قریب سیاسی معیشت دان کے الفاظ میں پیش کیا گیا ہے) کی بنیاد پر دوسوالوں کا جواب دینے کی کوشش کرتے ہیں۔

ا)انسانیت کی ترقی میں انسانیت کیا اس بڑے حصے کی مجرد محنت میں تخفیف کا کیا مطلب بنتا ہے۔

۲)ان چیدہ چیدہ اصلاح کاروں سے کیا غلطیاں سرزد ہوئیں جو یا تو اجرتوں میں اضافے کے خواہاں ہیں اور اس طرح مزدور طبقے کی حالت میں سدھار لانا چاہتے ہیں یا پھر اجرتوں کے مساوی ہونے کو (پرودھن کی طرح) سماجی انقلاب کا حاصل سمجھتے ہیں۔

سیاسی معیشت میں محنت اجرت کمانے والی سرگرمی کے روپ میں ہی رونما ہوتی ہے۔

''یہ بات وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ وہ پیشے جن میں خاص صلاحیتیں یا طویل مدت کی تربیت درکار ہوتی ہے مجموعی لحاظ سے زیادہ سودمند ہوتے ہیں،جبکہ میکانکی طور پر یک روخی سرگرمی کا بہ تناسب کم صلہ ملتا ہے جس میں یاک شخص کو اسی آسانی اور سرعت سے ماہر کرلیا جاتا ہے جس کہ کوئی دوسرا بڑھتے ہوئے مقابلے کے ساتھ ناکارہ ہوجاتا ہے اور اس کا ناکارہ ہوجانا ناگزیر بھی تھا۔اس اسی نوع کا کام ہی محنت کی تنظیم کی موجودہ صورتِ حال میں ابھی بھی سب سے زیادہ عمومی ہے۔تاہم اگر پہلی قسم کا مزدور اس سے سات گنا زیادہ کماتا ہے جتنا وہ،فوض کریں پچاس سال پہلے کماتا تھا جبکہ دوسری قسم کے مزدور کی کمائی غیر

متغیر رہتی ہے تو بلاشبہ یہ دونوں نسبتاً پہلے یہ چار گنا زیادہ کمار ہے ہیں۔لیکن اگر ایک ملک میں پہلی قسم کے مزدوروں کی تعداد ایک ہزار ہے اور دوسری قسم کی دس لاکھ ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ۹۹۹۰۰۰ مزدوروں کی مالی حالت پچاس سال پہلے کی حالت سے چنداں بہتر نہیں اور ان کی حالت اور بھی دگرگوں ہے اگر ان کی ضروریاتِ زندگی کی قیمتیں بڑھتی جاتی ہیں۔اس طرح کی نسبتوں کے بے بنیاد اندازوں سے لوگ آبادی کے کثیر ترین حصے کے بارے میں اپنے آپ کو دھوکے میں ڈالنے کو کوشش کرتے ہیں۔علاوہ ازیں اجرت کا سائز مزدور کی آمدنی کے اندازے میں صرف ایک عنصر ہے کیونکہ مؤخرالذکر کی پیمایش کے لیے یہ لازمی ہے کہ اس کے دوام کے ضمانت کو بھی مدِ نظر رکھا جائے اور جس کا (اپنے ہمہ دم دور لگانے والے اتار چڑھاؤ اور ادوارِ جمود کے ساتھ) اس نام نہاد مقابلے کے نراج میں واضح طور پر کوئی امکان ہے بھی کہ نہیں۔آخراً ،کام کا دورانیہ جو اس سے پیشتر مروجہ تھا اور اب اسے بھی مدِ نظر رکھنا پڑتا ہے۔اور انگریزcotton works کے لیے یہ دورانیہ آجرین کی نفع کی ہوس کے نتیجے میں بڑھ گیا ہے اور پچھلے پچیس سالوں میں (یا یہ کہنا چاہیے کہ محنت کی بچت کرنے والی مشینوں کے متعارف ہونے کے عرصے) میں بارہ سے سولہ گھنٹے یو یہ تک پہنچ گیا ہے۔اور ایک ملک میں صنعت کے ایک شعبے میں (دورانے کا) یہ اضافہ، جو لازمی طور پر دوسرے شعبوں میں بھی زیادہ یا کم دوجے تک امیر کے ہاتھوں غریب کے بے پناہ استحصال کے حق کو منواتا ہے، ابھی بھی ہر جگہ تسلیم کیا جاتا ہے (لہلم شولز، پیداوار کا تحرک، ص ۶۵)

''اور اگر اس بات میں اتنی ہی صداقت ہو جتنی کہ یہ باطل ہے کہ معاشرے کے ہر طبقے کی اوسط آمدنی بڑھ گئی ہے تو ہوسکتا ہے کہ آمدنیوں میں امتیازات اور متعلقاتی آمدنی کے فاصلے پھر بھی فزوں تر ہو جائیں اور اسی نسبت سے دولت مندی اور غربت میں تضاد اور زیادہ گاڑھا ہو جائے۔کیونکہ صرف اس لیے کہ کلی پیداوار میں اضافہ ہو جائے (اور جتنی یہ بڑھتی ہے اس حساب سے) ضرورتیں، خواہشیں اور مطالبے بھی بڑھ جاتے ہیں اور اس طرح متعلقاتی غربت بھی بڑھ سکتی ہے جبکہ مطلق غربت ختم ہو جاتی ہے۔مچھلی کے تیل اور سڑی مچھلی پر گزران کرنے والا Samoyed غریب ہیں کیونکہ secluded معاشرے میں ہر ایک کی ایک سی ضروریات ہیں۔لیکن ایک ریاست جو شاہراہِ ترقی پر گامزن ہے اور اس نے ،فرض کریں، ایک دہائی میں کل پیداوار کی اپنی آبادی کے تناسب سے ایک تہائی بڑھا لیا ہے جبکہ وہ مزدور دس بعد اتنا ہی کماتا ہے جتنا کہ وہ (اس عرصے کے) آغاز میں کمار ہا تھا اتنا

خوشحال نہیں رہا بلکہ وہ ایک تنہائی غرین تر ہو گیا ہے۔'' (Ibid ص۶۶،۶۵)

لیکن سیاسی معیشت مزدور کو صرف ایک کام کرنے والا جانور، ایک حیوان سمجھتی ہے جس کی ہستی انتہا درجہ پست جسمانی ضرورتوں تک محدود ہے۔

''برتر روحانی آزادی کے حصول کے لیے ایک قوم اپنی جسمانی ضروریات حاجات سے ناطہ توڑنا ہوتا ہے۔ اسے جسم کی غلامی سے چھٹکارا پانا ہوتا ہے۔ اس طرح سب سے بڑھ کر ان کے پاس روحانی تخلیقی سرگرمی اور روحانی حظ آفرینی کے لیے وقت ہونا چاہیے۔ محنت کی تنظیم میں پیش رفتیں یہ وقت ہڑپ کر جاتی ہیں۔ دراصلنئی متحرک قوتوں اور بہتر مشینری کے ساتھ ایک اکیلا مزدور سوت کے کارخانوں میں اکثر و بیشتر اتنا کام کرتا ہے کہ جس کے لیے اس سے پیشتر سو یا پھر ڈھائی سو سے تین سو تک مزدور درکار ہوتے تھے۔ اگر مادی ضرورتوں کی ایک مخصوص مقدار کے لیے پہلے وقت اور انسانی سعی کا ایک مخصوص تصرف درکار تھا جو بعد میں آدھا کم ہو گیا تو مادی اطمینان کے ذرا بھر ضیاع کے بغیر روحانی سرگرمی اور حظ آفرینی تک دسترس بھی اسی تناسب سے بڑھ جاتی چاہیے۔۔۔ لیکنستم یہ کے کہ وہ مالِ غنیمت جو ہم نے خود کرونس سے اس کے انتہائی ذاتی خزانے سے ہتھیایا ہے۔ کی بانٹ کا فیصلہ ابھی بھی اندھتے، غیر منصفانہ اتفاق کی نردبازی پر ہوتا ہے۔ فرانس میں یہ اندازہ لگایا گیا ہے کہ پیداوار کی ترقی کی موجودہ سطح پر کام کرنے کے قابل پر شخص کافی یام اوسطاً پانچ گھنٹے کام کرنا معاشرے کے تمام مادی مفادات کی تسکین کے لیے کافی ہے۔ اس کے باوجود مشینری کی بہتر کارکردگی سے بچنے والے وقت، فیکٹریوں میں ایک کثیر آبادی کی غلامانہ محنت کا دورانیہ بڑھا ہی ہے۔'' (Ibid ص۶۸،۶۷)

''مرکب دستی محنت سے انتقال کا دارمدار مؤخرالذکر کے اس کے سادہ افعال میں حصے بخرے کرنے پر ہے۔ تاہم پہلے پہل کچھ بار بار دہرائے جانے والے افعال مشین کو سونپے جاتے ہیں جبکہ کچھ انسانوں کو سونپے جاتے ہیں۔ اشیاء کی نوعیت سے اور تجربے کے ابرام سے کہ اس نوع کی یہ نہ ختم ہونے والی یک رخی سرگرمی ذہن اور جسم کے لیے ایذا رساں ہے۔ ہاتھوں کی کثیر تعداد کے مابین تقسیمِ کار کے ساتھ مشینری کے اس تال میل کو مؤخرالذکر کے تمام کی تمام زیاکاریوں کا پردی فاش کرنا چاہیے۔ یہ زیاں کاریاں، دوسری چیزوں کے ساتھ ساتھ کارخانہ مزدوروں کی زیادہ شرح اموات کی صورت میں بھی ظاہر ہوتی ہیں۔۔۔ اس بڑے امتیاز پر کوئی توجہ نہیں دی گئی کہ کس حد تک آدمی مشینوں کے ذریعے یا بطور مشین کام

کرتے ہیں۔''(Ibid ص۷۴)

''تاہم لوگوں کی حیاتِ استقبال میں فطرت کی ذی حیات قوتیں ہماری غلام اور خادم بن جائیں گی۔ انگریزی بافت کاری کے کارخانے ۱۹۶،۸۱۸عورتوں اور صرف ۱۵۸،۸۱۸ مردوں کو کام دیتے ہیں۔لنکاشیئر کے سوت کے کارخانوں میں ہر دو مد مزدوروں کے مقابلے میں ۱۰۳ خاتون مزدور ہیں اور سکاٹ لینڈ میں یہ فرق ۲۰۹ کا ہے۔لیڈز کے پٹ سن کے کارخانوں میں ہر سو مرد مزدوروں کے مقابلے میں ۱۴۷ خاتون مزدور ہیں۔ڈروڈن اور سکاٹ لینڈ کے مشرقی ساحل پت یہ فرق ۲۸۰ کا ہے۔ریشم کے انگریزی کارخانوں۔۔۔خاتوں مزدور کثیر تعداد میں ہیں۔اون کے کارخانوں میں مرد مزدوروں کا راج ہے کیونکہ یہاں کام کرنے کے لیے زیادہ جسمانی قوت درکار ہے۔۱۸۳۳ شمالی امریکہ کے سوت کے کارخانوں میں ۱۸،۵۹۳ مردوں کے مقابلے میں تقریباً میں ۳۸،۹۲۷ خواتین کو کام پر لگایا گیا ہے۔اس طرح محنت کی تنظیم میں تبدیلیوں کے موجب کارآمد روزگار کا ایک وسیع تر میدان عورتوں کے حصے میں آ گیا ہے۔۔۔۔خواتین نے معاشی لحاظ سے ایک زیادہ خود انحصار مقام حاصل کر لیا ہے۔۔۔۔دونوں اصناف اپنے سماجی حالات اور ایک دوسرے کے قریب تر ہو گئیں ہیں۔''(Ibid ص۷۲،۷۱)

''۱۸۲۵ میں باسپ ار پانی سے چلنے والے انگریزی بافت کاری کے کارخانوں میں آٹھ سے بارہ سال تک کی عمر کے ۲۰،۵۵۸ بارہ سے تیرہ سلا کی عمر کے ۸۶۷،۳۵ اور آخراً، تیرہ سے اٹھاری سال کی عمر کے ۲۰۸،۱۰۸ بچے کام کر رہے تھے۔ یہ امر مسلمہ ہے کہ میکانکی بنانے کے عمل میں مزید پیش رفتیں اور انسانی ہاتھوں سے تماتر یک رخے بیزار کن کام کو زیادہ سے زیادہ ہٹانے کا عمل اس سماجی برائی کے بتدریج تدارک کی سمت گامزن ہے۔لیکن ان تیز تر ہیش رفتوں کے راستے میں یہ صورتِ حال حائل ہے کہ سرمایہ دار سہل ترین اور سستے ترین انداز میں ، نچلے طبقوں کی توانائیوں کو بچوں کی سطح تک کام میں لا سکتے ہیں۔(ان بچوں کی توانائیوں کو) یعنی میکانکی معاونتوں کی جگہ لگایا اور استعمال کیا جا سکت ہے۔''(Ibid ص۷۱،۷۰)

''لارڈ براہم کا مزدوروں سے یہ تقاضا کہ ''سرمایہ دار۔۔۔۔یہ بدی کے لاکھوں لوگ اس جانکاہ محنت سے اپنے لیے روکھی سوکھی ہی کما پاتے ہیں جو جسم کو گھول دیتی ہے اور اخلاقی اور تعقلی لحاظ سے اپاہج بنا دیتی ہے۔اور وہ اس طرح کام پانے کی بدقسمتی کو بھی ایک طرح کی خوش قسمتی سمجھنے پر مجبور ہیں۔''(

Ibid ص۶۰)

''اس طرح زندہ رہنے کے لیے بے حیثیت لوگ، بلا واسطہ یا بالواسطہ، خود کی حیثیت والوں کی خدمت میں دینے پر مجبور ہیں، مطلب یہ کہ وہ اپنے آپ کی ان کی ماتحتی کا طوق پہنانے پر مجبور ہیں۔'' پیکوار، سیاسی معیشت اور سیاست کا نیا نظریہ، ص۴۰۹)

خدام-مشاہرہ، مزدور-اجرتیں، نوکر-تنخواہ یا آمدن۔'' (Ibid ص۱۰،۴۰۹)

''اپنی محنت بھاڑے پر دینا؛ اپنی محنت نفع پر لگانا؛ کسی دوسرے کی جگہ کام کرنا۔''

''محنت کا سامان بھاڑے پر دینا؛ محنت کا سامان نفع پر لگانا؛ دوسروں کو اپنی جگہ کام پر لگانا۔'' (Ibid ص۴۱۱)

اس طرح کا معیشی نظام انسانوں کو ایسے گھٹیا پیشوں میں جھونک دیتا ہے اور ایسی غارت گر اور بدتر تذلیل میں مبتلا کر دیتا ہے کہ اس کے مقابلے میں غلامی ایک شاہانہ حالت لگتی ہے۔ (I b i d ص۱۸،۴۱۷) یہ بے حیثیت طبقے کی، اپنے تما م رنگوں میں، قحبہ بازی ہے۔'' (Ibid ص۴۲۱) ''کہنہ فروش۔''

لوڈن Louden ''آبادی اور معاش کے مسئلے کا حل وغیرہ''، یہ بیان کرتا ہے کہ انگلستان میں فاحشہ عورتوں کی تعداد ساٹھ سے ستر ہزار کے درمیان ہے جبکہ کہا جاتا ہے کہ مشکوک چال چلن والی عورتوں کی تعداد اتنی ہی زیادہ ہے۔ (Ibid ص۲۲۸)

یہ گھناؤنا پیشہ اختیار کرنے کے بعد گلی کوچوں، بازاروں کی بدصورتی بننے والی اس بدقسمت مخلوق کی اوسط عمر چھ سے سات سال رہ جاتی ہے۔ ساٹھ سے ستر ہزار رنڈیوں کی تعداد کی برقرار رکھنے کے لیے تینوں سلطنتوں میں آٹھ سے دس ہزار ایسی عورتیں ہونی چاہئیں جو ہر سال اپنے آپ کو اس رسوا کن پیشے کو اختیار کرنے کے لیے تیار کر سکیں۔ اس لحاظ سے یومیہ چوبیس، یعنی ہر گھنٹے میں ایک نئی قحبہ درکار ہے۔ اور اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر یہ تناسب پورے روئے زمین پر لاگو ہو جائے تو ہمہ وقت ان نوع کی پانچ لاکھ عورتوں کا وجود ضروری بن جاتا ہے۔'' (Ibid ص۲۲۹)

''افلاس زدوں کی آبادی ان کے افلاس کے ساتھ بڑھتی جاتی ہے اور بے نوائی کے انتہائی کنارے پر انسانوں کا انبوہِ کثیر جڑ جاتا ہے اور وہ مصیبت جھیلنے کے حق کے لیے باہم نبرد آزما ہو جاتے

ہیں۔۔۔۱۸۲۱ء میں آئر لینڈ کی آبادی ۸۲۷،۸۰۱،۶ نفوس تھی۔۱۸۳۱ء میں ۱۰۱،۶۴،۷ ہوگئی، یعنی دس سال میں اس میں ۱۴ فی صد اضافہ ہوا۔لائن، جو امیر ترین صوبہ ہے، میں یہ اضافہ ۸ فی صد رہا۔جبکہ کو ناٹ Connaught، جو کہ سب سے زیادہ افلاس زدہ صوبہ ہے، میں یہ اضافہ ۲۱ فی صد کی پہنچ گیا (آئر لینڈ، ویانا پر انگلستان میں شائع ہونے والی تحقیقات، برٹ، مفلوک الحالی پر وغیرہ، ص۳۷،۳۶)

''سیاسی معیشیت محنت کی فی الجملہ ایک چیز سمجھتی ہے۔''محنت ایک قابلِ فروخت شے ہے۔''اگر قیمت زیادہ ہوتو اس کا مطلب ہے کہ شے کی طلب بڑھ گئی ہے۔اگر قیمت کم ہوتو اس کا مطلب ہے کہ شے کی رسد بڑھ گئی ہے۔''بطور شے محنت کی قیمت کی کم سے کم تر ہوتے رہنا چاہیے۔''ایسا ہونا جزواً سرمایہ دار اور مزدور کے مابین مقابلہ بازی، اور جزواً مزدوروں کے مابین مقابلہ نازی سے ناگزیر بن جاتا ہے۔''کام کرنے والی آبادی، یعنی محنت فروش، لازمی طور پر مصنوعہ کا ذرا بھر حصہ قبول کرنے پر مجبور ہے۔۔۔کیا شے کا بطور شے نظریہ ماسوا غلامی کے بیس بدلے نظریے کے کچھ ہے؟(Ibid ۴۳)''تو پھر محنت میں صرف یاک قدرِ مبادلہ ہی کیوں دکھائی دیتی ہے۔''(Ibid ص۴۴)بڑے کارخانے بچوں اور عورتوں کی محنت کو ترجیح دیتے ہیں کیونکہ ان پر مردوں کی محنت کی بہ نسبت کم لاگت آتی ہے۔''(Ibid)مزدور کبھی بھی اس شخص کے ساتھ تعلق میں ایک آزاد بیچنے والے کی حیثیت نہیں رکھتا۔۔۔۔سرمایہ دار محنت کے استعمال میں ہمیشہ آزاد ہوتا ہے جبکہ مزدور ہمیشہ اسے فروخت کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔محنت کی قدر کلیتاً برباد ہوجاتی ہے اگر اسے ہر پل فروخت نہ کیا جائے۔محنت کو نہ تو جمع کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی اصلی اشیاء کی طرح محفوظ کیا جاسکتا ہے۔محنت زندگی ہے، اور زندگی کا روزانہ خوراک سے تبادلہ نہ کیا جائے تو یہ تکلیف جھیلتی ہے اور جلد ہلاک ہوجاتی ہے۔تاہم یہ دعویٰ کرنے کے لیے کہ انسانی زندگی ایک بکاؤ مال ہے ہمیں غلامی کو تسلیم کرنا پڑے گا۔''(Ibid ص۴۹،۵۰)پس اگر محنت بکاؤ ہے تو یہ ایسا مال ہے جو انتہائینا مساعد خواص کا حامل ہے۔لیکن سیاسی معیشت کے اصولوں کے لحاظ سے بھی یہ کوئی شے نہیں ہے کیونکہ یہ کسی آزادانہ انتقال کا آزادانہ نتیجہ نہیں ہے۔موجودہ معاشی نظام بیک وقت محنت کی قیمت اور منفعت کو گھٹا دیتا ہے۔یہ مزدور کو ماہر بناتا ہے اور انسان کی تذلیل کرتا ہے۔(Ibid ص۵۲،۵۳)''صنعت ایک جنگ بن گئی ہے اور تجارت ایک جوا بن گئی ہے۔''(Ibid ص۱۹۳)

''(انگلستان میں) صرف سوت کے کام کی مشینیں ۸۴،۰۰۰،۰۰ دستی کام کرنے والے مزدوروں کے

برابر کام کرتی ہیں۔(Ibid ص۱۹۳)

عصر حاضر تک صنعت حالتِ جنگ میں رہی ہے۔وہ فتح مندی کی جنگ میں جٹی رہی ہے۔''اس عظیم فاتحین کی سی بے پرواہی کے ساتھ ان انسانوں کی زندگیاں کچل ڈالیں جنہوں نے اس کی فوج جوڑی۔ اس کی منزل دولت پر تصرف تھا نہ کہ انسانوں کی خوشی۔''(برٹ،محولہ صدر تصنیف،ص۲۰)یہ مفادات(جو کہ معاشی مفادات ہیں)جنہیں ان کی حالت آزادانہ چھوڑ دیا گیا ہے۔۔۔۔۔لازمی طور پر باہم متصادم ہو جائیں گے۔جنگ کے سوا ان کا دوسرا کوئی ثالث نہیں۔اور جنگ کے فیصلے کچھ کے لیے شکست اور موت کے پیغام لاتے ہیں تا کہ دوسروں کو فتح مندی سے سرفراز کر سکیں۔۔۔مخالف قوتوں کے تصادم میں ہی سائنس نظم اور توازن تلاش کرتی ہے۔اس کے مطابق مسلسل جنگ ہی امن کے حصول کا واحد ذریعہ ہے اور یہ جنگ مقابلہ کہلاتی ہے۔''(Ibid ص۲۳)

صنعتی جنگ کامیابی سے اجری رہنے کے لیے کثیر افواج کی متقاضی ہوتی ہے جنہیں یہ ایک جگہ اکٹھا کرتی ہے اور بڑی سرعت سے ہر دس میں ایک کو بھینٹ چڑھاتی جاتی ہے۔ایسا کسی قسم کی دل بستگی یا فرض کی وجہ سے نہیں ہے کہ اس فوج کے سپاہی خود ہر مسلط ان جوکھموں کو جھیلے جاتے ہیں بلکہ وہ یہ جوکھم صرف پاپی پیٹ کی دردناک اشتہا کی خاطر اٹھاتے ہیں۔وہ اپنے آقاؤں کے لیے نہ نہ وابستگی محسوس کرتے ہیں اور نہ ہی ان کے احسان مند ہوتے ہیں اور نہ یہ آقا اپنے ماتحتوں کے لیے خیر خواہی کے احساس کے پابند ہی ہوتے ہیں۔وہ انہیں انسان نہیں سمجھتے، بلکہ پیداوار کی کلیں سمجھتے ہیں جن سے وہ کم سے کم لاگت میں زیادہ سے زیادہ نفع کے خواہاں ہوتے ہیں۔مزدوروں کی یہ آبادیاں، جو زیادہ سے زیادہ گنجان ہوتی جاتی ہیں، انہیں تو ہمیشہ کام پر لگے رہنے کا دلاسہ بھی نہیں ہے۔صنعت، جس سے انہیں اکٹھا کیا گیا ہے، انہیں تب تک زندہ رہنے دیتی ہے جب تک کہ اسے ان کی ضرورت ہوتی ہے۔اور جیسے ہی وہ اس سے چھٹکارا پا سکتی ہو وہ انہیں بنا ذرا بھر کھٹکے کے نکال باہر کرتی ہے؛ اور مزدور اس پر مجبور ہیں کہ وہ اپنی زندگیاں اور اپنی توانائیاں پیش کر دیں۔انہیں جتنا عرصی دردناک اور کراہت انگیز کام ملتا رہتا ہے اتنا ہی کم ان کا معاوضہ ہوتا جاتا ہے۔ان میں ایسے بھی ہیں جو روزانہ سو گھنٹے کام کرتے ہیں اور کڑی مشقت کر کے بمشکل نہ مرنے کا حق ہی خرید پاتے ہیں۔''(Ibid ص۶۸،۶۹)

''ہم ان کمشنروں کی طرح (اس حقیقت کو) تسلیم کرتے ہیں، جنہیں ہتھ کھڈیوں پر بنائی کرنے

والوں کی حالت کی تحقیقات پر مقرر کیا گیا ہے کہ بڑے صنعتی قصبے تھوڑے ہی عرصے میں اپنے مزدوروں کی آبادی سے محروم ہو جاتے اگر انہیں نواحی دیہاتی علاقوں سے صحت مند انسانوں کی کھیپ مسلسل میسر نہ آتی رہتی، جو (ان کی رگوں میں) تازہ خون کی طرح گرداں رہتی ہے۔'' (Ibid ص۳۶۲)

سرمائے کا نفع

1۔سرمایہ

ا)سرمائے،یعنی دوسروں کی محنت سے بننے والی صنوعات میں نجی ملکیت کی کیا بنیاد ہے؟

''کیونکہ سرمایہ اگر بذاتِ خود چوری اور فراڈ کے مترادف نہیں ہے تو بھی اس میراث کو جائز قرار دلانے کے لیے قانون سازی کے تعاون کی ضرورت ہوتی ہے ۔(سے،ٹی،I ،ص۱۳۶ Foot note)

کوئی شخص حاصل خیز خام مال کا مالک کیسے بن جاتا ہے۔کوئی شخص اسن خام مال سے بننے والی مصنوعات کا ملک کیسے بن جاتا ہے؟

''قائم کردہ قانون کی بدولت۔''(سے،ٹی۔II ص۴)

سرمائے سے کسی کو کیا حاصل ہوتا ہے۔جیسے مثال کے طور پر کوئی لمبی چوڑی میراث اس کی ملک میں آجائے تو؟

''وہ شخص جسے کے ہاتھ کوئی عظیم میراث لگ جائے یا اسے یہ ورثے میں مل جائے تو اسے لازماً کوئی سیاسی دبدبہ حاصل یا تورث نہیں ہوجاتا۔اسے ان حقِ ملکیت سے جو طاقت فوراً اور براہِ راست نصیب ہوتی ہے وہ خیر یدنے کی طاقت ہے؛اسے تمام تر محنت پر،یا محنت کی تمام تر مصنوعات جوتب منڈی میں موجود ہوتی ہیں،پر تصرف حاصل ہوجاتا ہے۔(دولتِ اقوام،ازآدم سمتھ،جلداول،ص۲۶،۲۷)

اس طرح سرمایہ محنت اوراس کی مصنوعات پر تصرفانہ قوت کا نام ہے۔سرمایہ داراس قوت کا مالک ہے،اپنے شخصی یا انسانی خواص کی وجہ سے نہیں بلکہ ہواسی حدتک(اس قوت کا مالک ہوتا ہے)جتنا کہ ہو سرمائے کا مالک ہوتا ہے۔اس کی قوت سرمائے کی قوتِ خرید ہے،جس کے سامنے کوئی شے تک نہیں سکتی۔

ازاں بعد ہم دیکھیں گے کہ کس طرح سرمایہ دار اپنے سرمائے کے بل پر محنت پر اپنی تصرفانہ قوت استعمال کرتا ہےاور پھر سرمایہ دار پر سرمائے کی تصرفانہ قوت کا جائزہ لیں گے۔

سرمایہ کیا ہے؟

محنت کی آئندہ بروئے کا لانے کی غرض سے ایک مخصوص زخیرہ کردہ اور محفوظ شدہ مقدار ۔(Ibid ص۲۹۵)

سرمایہ زخیرہ کردہ محنت ہے۔

فنڈز (fonds) یا سٹاک (stock) مٹی یا مشین کی پیداواروں کی کسی بھی صورت کے اجماع کو کہا جاتا ہے۔ سٹاک صرف تبھی سرمایہ بنتا ہے جب یہ اپنے مالک کے لیے آمدنی یا منافع کے حصول کا وسیلہ بنتا ہے۔

۲) سرمائے کا منافع

سرمائے کا نفع یا حاصل محنت کی اجرتوں سے کلیتاً مختلف ہے۔ یہ اختلاف دو طریقوں سے اظہار پاتا ہے۔ پہلی صورت یہ کہ سرمائے کے نفع کلیتاً کام میں لگائے گئے سرمائے کی قدر سے تنظیم پاتے ہیں۔ اگر چہ ہوسکتا ہے کہ سرمایوں سے جڑی نگہ داری اور ہدایت کاری کی محنت ایک جیسی ہو۔ علاوہ ازیں لمبے چوڑے کاموں میں یہ محنت کسی بڑے کلرک کے سپرد کر دی جاتی ہے جس کی تنخواہ کا اس سرمائے کے ساتھ کوئی باقاعدہ تناسب نہیں ہوتا جس کے انتظام کے وہ نگرانی کرتا ہے۔ اور اگر اس معاملے میں مالک کو دوڑ دھوپ خس برابر بھی نہیں رہ جاتی لیکن پھر بھی وہ اپنے سرمائے کے حساب سے منافع کا خواہاں ہوتا ہے۔'' (Ibid ص۴۳)

سرمایہ دار منافع اور سرمائے کے مابین اس تناسب کا مطالبہ کیوں کرتا ہے؟

''اسے مزدور کو کام پر لگانے میں کوئی دلچسپی نہیں ہوتی مگر اس کہ ان کے کام کی فروخت سے اسے اس سے کچھ زیادہ کی توقع ہو جو اس خام مال کی تعویض کے لیے ضروری ہے جو وہ اجرتوں کے بطور پیش کرتا ہے۔ اور اسے کم خام مال کی بجائے بڑے پیمانے پر خام مال لگانے میں کوئی دلچسپی نہیں ہوتی مگر اس کہ اس کا نفع کام میں کھپائے گئے خام ملا کے تناسب سے بڑھ جائے۔'' (Ibid ص۴۲)

اس طرح سرمایہ دار پہلے تو اجرتوں پر نفع نٹورتا ہے اور مابعد اپنے کام پر لگائے خام مال پر۔

تو پھر منافع کا سرمائے کے ساتھ کیا تناسب بنتا ہے؟

''اگر کسی خاص مقام اور کسی خاص زمانے میں اجرتوں کی معمولی اوسطح کا تعین کارِ دشوار ہے تو سرمایوں کے منافع کا تعین تو اس سے اور بھی دشوار ہے۔ ان اشیاء کی قیمت میں تبدیلی جن کا سرمایہ دار کاروبار کرتا ہے، اس کے حریفوں اور گاہکوں کی اچھی بُری تقدیر، اور وہ ہزار ہا حوادث جن کی یہ اشیاء دورِ راہ اور گوداموں میں شکار بنتی ہیں۔ سبھی منافع میں روز بروز بلکہ قریباً ساعت بساعت تغیر کا مع جب بنتی ہیں۔(

Ibid ص۸۷،۹۷) لیکن اگر چی یہ ناممکن ہے کہ اس کا باصراحت تعین کیا جاسکت کہ سرمایوں پر منافعوں کا کیا (تناسب) ہے پھر بھی رو ہے پر سود سے ان کا کچھ نظریہ بنایا جاسکتا ہے۔ کہاں کہیں روپے کے استعمال سے بہت کچھ حاصل ہوسکتا ہو وہاں اس کے استعمال کے لیے بہت کچھ دیا جاتا ہے۔ جہاں کہں اس سے تھوڑا بہت حاصل ہو وہاں تھوڑا بہت ہی دیا جتا ہے۔(Ibid ص۹۷) وہ تناسب جو سود کی بمطابق معمولمنڈی کی شرح کو خالص منافع کی شرح پر برداشت کنا چاہیے، لازمی طور پر منافع کے اتار چڑھاؤ کے ساتھ تغیر پذیر ہوتا ہے۔ انگلستان مین دگنا نفع اسے سمجھا جاتا ہے جسے سرمایہ دار اچھا، میانہ اور معقول نفع کہتے ہیں اور ان الفاظ سے مراد ماسوا عام اور معمول کے نفع کے کچھ نہیں ہے۔(Ibid ص۸۷ منافع کی کم ترین اور بلند ترین شرح کیا ہے؟

سرمایوں پر معمولی منافع کی کم ترین شرح ہمیشہ اس سے زیادہ ہونی چاہیے جو ان گاہ گاہی خساروں کی تلافی کے لیے ضروری ہے جن سے سرمائے کا اطلاق دو چار رہتا ہے۔ یہی اضافہ ہی خالص اور شفاف منافع ہے۔ یہ (کلیہ) سود کی کم ترین شرح پر صادر آتا ہے۔

وہ بلند ترین شرح جس تک معمولی منافع اٹھ سکتا ہے وہ ہے جس میں اشیاء کے بڑے حصے کی قیمت زمین کے تمام تر کرائے کو نگل جاتی ہے اور مہیا کردہ سے میں شامل محنت کی اجرتوں کو کم ترین، یعنی ان کے کام کے دوران گزران، شرح تک گھٹا دیتی ہے۔ جب تک کام کے لیے مزدور کی ضرورت ہے اسے کسی نہ کسی طرح کھلانا پلانا ہی پڑتا ہے؛ زمیں کا کرایہ تو کلیتاً معدوم ہوسکتا ہے۔ اس ضمن میں بنگال میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے ملازموں کی مثلا دی جاسکتی ہے۔(Ibid ص۸٦۔۸۷)

علاوہ محدود مقابلے کے مفائد کے جن سے سرمایہ دار اس معاملے میں استفادہ کرسکتا ہے وہ بڑے معقول حیلوں سے منڈی کے نرخ کو حقیقی نرخ سے بلند رکھ سکتا ہے۔

اگر ایک چیز کی منڈی اس کے مہیا کرنے والوں سے دور دراز فاصلے پر واقع ہے تو کاروبار میں راز داری برت کر، یعنی شے کو قیمت میں تبدیلی کی مخفی رکھ کر اس کو حقیقی سطح سے بلند رکھا جاسکتا ہے۔ اس اخفا کا اثر یہ ہوتا ہے کہ دوسرے سرمایہ دار اس کے اتباع میں صنعت یا تجارت کی اس برانچ میں اپنے سرمائے نہیں لگاتے۔

اس کے علاوہ پیداواری عمل میں راز داری، جو سرمادار کو اس قابل بناتی ہے کہ وہ پیداوار کی لاگتوں کو کم

کو سکے اور اپنی شے کو اپنے حریفوں کے برابر یا ان سے بھی کم نرخوں پر فروخت کر کے زیادہ نفع حاصل کر سکے۔ (راز رکھ کر دھوکا دینا غیر اخلاقی نہیں ہے؟ یہ تو سٹاک ایکسچینج پر کاروباری ہتھ کنڈے ہیں)۔ علاوہ ازیں جہاں پیداوار ایک مخصوص علاقے تک محدود ہو (جیسا کہ نایاب شراب کے معاملے میں ہے) اور جہاں مؤثر طلب کی کبھی تسکین نہ ہو سکے۔ آخراً اشخاص یا کمپنیوں کے ذریعے روا اجارہ داریوں کی بدولت اجادارانہ قیمت بلند ترین ممکنہ قیمت ہے۔ (Ibid ص۵۳۔۵۴)

دیگر اتفاقی وجوہات جو سرمائے پر منافع میں اضافہ کرتی ہیں: نئے خطوں یا کاروبار کی نئی برانچوں کی تحصیل اکثر ملکوں میں بھی سرمایوں پر منافع کو بڑھا دیتی ہے کیونکہ وہ کاروبار کی پرانی برانچوں سے کچھ سرمائے نکال لیتے ہیں، مقابلہ بازی کو کم کرتے ہیں اور منڈی کو کم سے کم اشیاے کی فراہمی کا موجب بنتے ہیں۔ پھر ان اشیاء کی قیمتوں میں اضافہ ہو جاتا ہے اور پھر وہ لوگ جو ان اشیاء کا کاروبار کرتے ہیں، بلند ترین شرح سود پر ادھار لینے کے قابل ہو جاتے ہیں۔ (Ibid ص۸۳)

جتنا زیادہ ایک شے پر کام ہوتا جاتا ہے (یعنی جتنی زیادہ وہ ایک مصنوعہ بنتی جاتی ہے) اتنا ہی قیمت کے اس حصے کے تناسب سے، جو خود کو کرائے میں تحلیل کرتا ہے۔ قیمت کا وہ حصہ بڑا ہوتا جاتا ہے جو خود کو اجرتوں اور منافع میں تحلیل کرتا ہے۔ کسی شے کو ساخت میں بہتری نہ صرف منافعوں کی تعداد میں اضافے کرتی ہے بلکہ ہر اگلا منافع پچھلے منافع سے زیادہ ہوتا ہے، کیونکہ وہ سرمایہ جس سے ئی اخذ ہوا تا ہے ہمیشہ پہلے سے زیادہ ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر وہ سرمایہ جو بافندوں (weavers) کو کام پر لگاتا ہے ہمیشہ اس سرمائے سے زیادہ ہوتا ہے جو نخ ریسوں (spinners) کو کام پر لاگاتا ہے کیونکہ یہ نہ صرف ان سرمائے کی ان کے نفعوں کے ساتھ جگہ لے لیتا ہے بلکہ یہ اس کے علاوہ بافندوں کی اجرتیں بھی ادا کرتا ہے اور منافعوں کو ہمیشہ سرمائے کے ساتھ کچھ تناسب حامل ہونا چاہیے۔ (Ibid ص۴۵) اس طرح وہ پیش رفت جو محنت قدرتی شے کو مصنوعی قدرتی شے میں بدلنے میں کرتی ہے، محنت کی اجرتوں میں اضافہ نہیں کرتی بلکہ یہ جزواً منافع بخش سرمایوں میں اور جزواً پچھلے سرمائے کی بہ نسبت ہر اگلے سرمائے کے سائز میں اضافے کا موجب بنتی ہے۔

اس فائدے کے لحاظ سے جو سرمایہ دار بہت بعد میں تقسیمِ کار سے حاصل کرتا ہے

وہ دگنا کماتا ہے۔ اولاً تو تقسیم کار سے اور ثانیاً عمومی اعتبار سے اس بہتری سے جو انسانی محنت قدرتی

شے میں لاتی ہے۔کسی شے میں انسانی (محنت کا) حصہ زیادہ جتنا ہوگا اتنا ہی مردہ dead سرمائے کا نفع زیادہ ہوگا۔

ایک ہی معاشرے میں سرمائے کے منافعوں کی اوسط شرح محنت کی مختلف النوع اجرتوں کے مقابلے میں قریب قریب ہی سطح پر رہتی ہے۔(Ibid ص۱۰۰)

یہ کہنے کی چنداں ضرورت نہیں کہ منافع تب بھی بڑھ جاتے ہیں اگر (سرمائے کی) گردش کے ذرائع کم گراں یا بآسانی دستیاب ہوجائیں (مثلاً کاغذی زر)۔

3۔سرمائے کی محنت پر حکمرانی اور سرمایہ دار کے مقاصد

اپنے ذاتی نفع کی فکر ہی ہو واحد مقصد ہے جو کسی بھی نوع کے سرمائے کے مالک کو اسے یا تو زراعت یا صنعت یا پھر تھوک یا پرچون کاروبار کی کسی شاخ میں لگانے پر آمادہ کرتا ہے۔اس بات کا اس کے ذہن سے کبھی گزر ہی نہیں ہوتا کہ حاصل خیز محنت کی مختلف مقداریں، جنہیں یہ (سرمایہ) حرکت میں لاسکتا ہے اور بالارقم مختلف طریقوں میں سے کسی ایک یا دوسرے میں اپنے (سرمائے کے) استعمال کے حساب سے یہ اس (سرمایہ دار) کے ملک کی زمینی یا صنعتی سالانہ پیداوار کی مختلف قدروں میں کسی قدر اضافہ کر سکتا ہے۔

سرمایہ دار کے لیے سرمائے کا انتہائی سودمند استعمال وہ جس جو سے، خطرات سب کے لیے برابر ہوتے ہوئے، زیادہ سے زیادہ منافع بخشے۔سرمائے کا یہ استعمال معاشرے کے لیے ہمیشہ فائدہ مند نہیں ہوتا۔سرمائے کا انتہائی سود مند استعمال ہو جو فطرت کی حاصل خیز قوتوں سے فائدہ کشید کرے۔(سے، ٹی، II، ص۱۳۰، ۳۱)

سرمایہ لگانے والوں کے منصوبے اور پروجیکٹ محنت کے تمام اہم ترین افعال کی تنظیم اور رہنمائی کرتے ہیں اور منافع وہ حاصل ہے جس کا یہ تمام منصوبے اور پروجیکٹ ارادہ کرتے ہیں۔لیکن منافع کی شرح، لگان اور اجرتوں کی طرح نہ تو معاشرے کی خوشحالی کے ساتھ بڑھتی ہے اور نہ ہی اس کے تنزل کے ساتھ گرتی ہے۔اس کے برعکس یہ امیر ملکوں میں پست، جبکہ غریب ملکوں میں بلندترین ہوتی ہے جو سرپٹ بربادی کی طرف رواں ہوتے ہیں۔اس طرح اس (سرمایہ دار) طبقے کے مفاد کا معاشرے کے عمومی مفاد کے ساتھ ویسا رشتہ نہیں ہوتا جیسا کہ بقیہ دو (طبقات) کا ہوتا ہے۔کاروبار یا پیداواری عمل کی کسی بھی

خاص برانچ کے ڈیلروں کے مخصوص مفادات عوامی مفاد سے ہمیشہ مختلف ہوتا ہے اور اکثر اوقات ان کے مابین گہرا تضاد پایا جاتا ہے، ڈیلر کا مفاد ہمیشہ یہی ہوتا ہے کہ وہ منڈی کو وسیع کرے اور بیچنے والوں کے مقابلے کو سکیڑ دے۔ یہ ایک ایسا طبقہ ہے جس کا مفاد کبھی معاشرے کے مفاد سے بالکل ہم آہنگ نہیں ہوتا، ایک ایسا طبقہ جس کا مفاد عموماً اسی میں ہوتا ہے کہ عوام کو دھوکا دیا جائے اور اس کا استحصال کیا جائے۔ (آدم سمتھ، دولتِ اقوام، جلد اول، ص ۲۳۱، ۳۲)

سرمایوں کا اجماع اور سرمایہ داروں کے مابین مقابلہ

''سرمایوں میں وہ اضافہ جو اجرتوں کو بڑھاتا ہے سرمایہ داروں کے مابین مقابلہ کی وجہ سے ان کے منافع کو کم کرنے کی جانب مایل ہوتا ہے۔'' (Ibid ص ۷۸)

اگر مثال کے طور پر وہ سرمایہ جو ایک خاص قصبے میں کریانے کے کاروبار کے لیے ضروری ہے دو مختلف بقالوں میں تقسیم کر دیا جائے تو ان کی مقابلہ ہر دو کو اس صورت میں سستے داموں اشیاء فروخت کرنے پر آمادہ کرے گی کہ جس میں یہ (سرمایہ) صرف ایک کے ہاتھوں میں ہوتا۔ اور اگر اسے بیس بقالوں میں تقسیم کر دیا جائے تو مقابلہ اسی حساب سے بڑھ جائے گا اور ان کے سر جوڑ کر قیمت کو بڑھا لینے کے امکان اتنا ہی کم ہو جائے گا۔

چونکہ ہم پہلے سے جانتے ہیں کہ اجارہ دارانہ قیمتیں ممکنہ حد تک بلند ہو سکتی ہیں اور چونکہ سرمایہ دار کا مفاد سیاسی عمومی نقطۂ نظر کے اعتبار سے بھی معاشرے سے معاندانہ مخالفت میں ہوتا ہے اور چونکہ منافع میں اضافہ شے کی قیمت پر مرکب ۔۔۔ کی طرح عمل کار ہوتا ہے (Ibid ص ۸۷۔۸۸) تو اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ سرمایہ دار کے مقابلے میں واحد بچاؤ مقابلہ ہے جو سیاسی معیشت کی شہادت کے مطابق صارف عوام کے حق میں اجرتوں کو بڑھا کر اور قیمتوں کو کم کر کے فائدہ مند ثابت ہوتی ہے۔

لیکن مقابلہ تبھی ممکن ہوتا ہے سرمائے بے تحاشا بڑھ جائیں اور کئی ہاتھوں میں چلے جائیں۔ کثیر تعداد میں سرمایوں کی تخلیق صرف (سرمائے کے) تکثیری اجماع کے نتیجے میں ہی ممکن ہے۔ چونکہ سرمایہ صرف ارتکاز سے وجود میں آتا ہے اور تکثیری اتکاز لازمی طور پر یکجائی ارتکاز میں بدل جاتا ہے۔ سرمایوں کے مانین مقابلہ سرمایوں کے ارتکاز کو بڑھاتا ہے۔

جہاں نجی ملکیت غالب ہوتی ہے وہاں اجماع سرمائے کا چند ہاتھوں میں مرتکز ہو جانا ہے۔ یہ عمومی

طور پر اس صورتِ حال کا ناگزیر نتیجہ ہے کہ جس میں سرمایوں کو چھوٹ دے دی جاتی ہے کہ وہ آپ اپنا فطری راستہ بنالیں۔اور یہ صرف مقابلے کے ذریعے ہی ممکن ہے کہ سرمائے کی اس فطری منزل کے لیے راستہ ہموار کر دیا جائے۔

ہمیں یہ بتایا گیا ہے کہ سرمائے پر نفع سرمائے کے سائز کے متناسب ہوتا ہے۔تو اس طرح بڑا سرمایہ چھوٹے سرمائے کے مقابلے اپنے سائز کے تناسب سے (سرمائے کا) زیادہ ارتکاز کرتا ہے، اگر ہم دانستہ مقابلہ بازی کو عجالۃً نظر انداز بھی کر دیں۔

اسی طرح بڑے سرمائے کی رفتار چھوٹے سرمائے کی بہ نسبت کہیں زیادہ تیز ہوتی ہے اور اس عمل میں مقابلہ تو درخورِ اعتنا ہی نہیں رہتا۔لیکن آیئے ہم اس عمل کی مزید پیروی کرتے ہیں۔

سرمایوں میں اضافے سے ان پر حاصل ہونے والے منافع مقابلہ بازی کے سبب کم ہو جاتے ہیں ۔تاہم جسے سب سے پہلے خسارہ اٹھانا پڑتا ہے وہ چھوٹا سرمایہ دار ہی ہے۔

مزید برآں سرمایوں میں اضافہ اور سرمایوں کی ایک بڑی تعداد ملک میں بڑھتی ہوئی دولت کی صورتِ حال کی غمازی کرتے ہیں۔

''ایک ایسے ملک میں جس نے اپنی امارت کے اوجِ کمال کو پالیا ہو۔۔۔چونکہ خالص ندع کی عمومی شرح بہت تھوڑی ہوتی ہے، اس لیے منڈی میں سود کی عمومی شرح جو اس (سرمائے) پر برداشت کی جاسکتی ہے، اس قدر کم ہو جاتی ہے کہ اپنے روپے کے سود پر گزر اوقات ماسوا انتہائی امیر لوگوں کے کسی کے لیے بھی ممکن نہیں رہتی۔تما چھوٹی اور متوسط ثروتوں والے اپنے آپ کو ان کے سٹاکوں کے دیکھ بھال پر لگانے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔(Ibid ص۸۶)

یہ وہ صورتِ حال ہے جو سیاسی معیشت کی انتہائی پسندیدہ ہے۔

''اس طرح سرمائے اور ریونیو کے مابین تناسب ہر جگہ مشقت اور بے کاری کے مابین تناسب کو قائم کرتی دکھائی دیتی ہے۔جہاں کہیں سرمائے کا غلبہ ہوتا ہے وہاں مشقت کا دور دورہ ہوتا ہے، اور جہاں کہیں ریونیو کا غلبہ ہوتا ہے، وہاں بے کاری کی حکمرانی ہوتی ہے۔

تو پھر اس افزائیدہ مقابلہ بازی میں سرمائے کے استعمال کا کیا (مفہوم بنتا) ہے؟

''جیسے جیسے سٹاک میں اضافہ ہوتا جاتا ہے سود پر لگائے جانے والے سٹاک کو مقدار بھی رفتہ رفتہ زیادہ

سے زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ جیسے جیسے سود پر لگائے اجنے ولاے سٹاک کی مقدار بڑھتی جاتی ہے، سود۔۔۔کم ہوتا جاتا ہے۔۔۔۔(۱) ایسا اس لیے ہوتا ہے کہ اشیاء کی مقدار میں اجافے سے ان کے منڈی کے نرخ عموماً کم ہوجاتے ہیں۔۔۔'' اور (۲) اس لیے بھی کہ کسی ملک میں سرمایوں کے اضافے سے،'' ملک میں نئے سرمائے کو کسی نفع بخش طریقے سے استعمال کرنا رفتہ رفتہ زیادہ سے زیادہ مشکل ہوتا جاتا ہے۔ اس کے نتیجے میں سرمایوں کے مابین مقابلہ بازی شروع ہوجاتی ہے۔ ایک (سرمائے) اس مالک سرمائے کے استعمال پر قبضہ جمانے کی فکر میں لگا رہتا ہے جس پر کسی دوسرے کی گرفت ہے۔ لیکن اکثر و بیشتر موقعوں پر وہ یہ امید کرسکتا ہے کہ وہ اس دوسرے (سرمایہ دار) کو (سرمائے کے) اس استعمال سے زیادہ معقول شرائط پر سود بازی کے ذریعے نکال باہر کرسکتا ہے۔ اسے بعض اوقات نہ صرف اس چیز کو سستا بیچنا چاہیے جس کا وہ کاروبار کرتا ہے بلکہ اسے بیچنے کی خاطر اسے بعض اوقات اسے مہنگے داموں بھی خریدنا چاہیے۔ حاصل خیز محنت کی طلب، خام مال میں اضافے سے جو اس پر تصرف کا اختیار رکھتا ہے، روز بروز یادہ سے زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ مزدور کو آسانی سے روزگار مل جاتا ہے۔ لیکن سرمایوں کے مالکوں کو مزدور کو روزگار دینے میں بڑی دقت کا سامان ہوتا ہے۔ ان کی مقابلہ بازی اجرتوں کو بڑھا دیتی ہے اور خام مال پر منافعوں کو گھٹا دیتی ہے۔ (Ibid ص۳۱۶)

اس طرح چھوٹے سرمایہ دار کے اختیار میں یہ رہ جاتا ہے کہ (۱) یات و وہ اپنا سرمایہ صرف کودے (کیونکہ ہواب سود پر گزران نہیں کرسکتا) اور اس طرح سرمایہ دار ہی نہ رہے یا (۲) اپنا ایک کاروبار شروع کرلے، اپنی سے سستے داموں فروخت کرلے، زیادہ اجرتیں ادا کریے اور اس طرح خود کو برباد کردے۔ منڈی کے نرخ پیش قیاد کردہ مقابلہ بازی کی نتیجے میں پہلے کی بہت زیادہ گر چکے ہیں۔ تاہم اگر ایک بڑا سرمایہ فار چھوٹے سرمایہ دار کو نکال باہر کرنا چاہیے تو اسے اس پر وہ یہ اختیارات حاصل ہیں جو سرمایہ دار کو سرمایہ دار کو مزدور پر حاصلؒ ہوتے ہیں۔ اس کے سرمائے کا بڑا سائز اس کے چھوٹے منافعوں کی تلافی کرسکتا ہے اور حتیٰ کہ وہ عارضی خسارے بھی برداشت کرلیتا ہے تاوقتیکہ چھوٹا سرمایہ دار برباد ہو جائے اور وہ اپنے آپ کو اس مقابلے سے آزاد کرلے۔ اس طریقے سے وہ چھوٹے سرمایہ دار نے منافعوں کے ہڑپ کرجاتا ہے۔

مزید برآں، بڑا سرمایہ دار ہمیشہ چھوٹے سرمایہ دار کے مقابلے سستا مال خریدتا ہے کیونکہ وہ زیادہ بڑی

مقدار خریدتا ہے۔اس طرح وہ سستے داموں فروخت کرنے بھرپور استطاعت رکھتا ہے۔لیکن اگر شرح سود میں کمی سرمایہ داروں کو۔۔۔۔سے کاروباری آدمی بن دیتی ہے تو کاروباری سرمایوں میں اضافہ اور اس کے نتیجے میں پہلے سے کم منافع شرح سود مین خلافِ قیاس (مزید) کمی کا موجب بنتے ہیں۔

جب وہ منافع جو سرمائے کے استعمال سے کمایا جاسکتا ہے۔۔۔کم ہوجاتا ہے۔۔۔تو وہ قیمت جو اس (سرمائے) کے استعمال کیلیے ادا کی جا سکتی ہے۔۔۔۔ وہ بھی اس کے ساتھ گھٹ جاتی ہے۔(Ibid ص۳۱۶)

''جب ثروت، improvement، تکنیکی اصلاح اور آبادی میں اضافہ ہوجائے''،''سود زوال آمادہ ہوجائے''،''اور اس کے نتیجے میں سرمایوں پر نفع کم ہوجائے،''تو ان کے کم ہونے پر بھی ہوسکتا ہے کہ سٹاک میں نہ صرف اضافہ ہوتا رہے بلکہ اس میں اضافہ پہلے سے کہیں تیز تر ہو۔بڑا سٹاک جو کم نفع بخش ہے، عموماً زیادہ نفع بخش چھوٹے سٹاک کی بہ نسبت زیادہ تیزی سے بڑھاتا ہے۔مثل مشہور ہے :روپیہ روپے کو کماتا ہے۔''(Ibid ص۸۳)

تاہم اگر اس بڑے سرمائے کو کم منافع بخش چھوٹے سرمایوں کی مخالفت کا سامنا ہو، جیسے کے ایسا شدید مقابلے کی صورت حال میں گمان کیا جاتا ہے، تو یہ اسے مکمل کچل ڈالتا ہے۔اس مقابلے کا لازمی نتیجہ اشیاء کا عمومی بگاڑ، دغل سازی، جعلی اشیاء کی پیداوار اور عمومی poisoning ہیں جو بڑے قصبوں مین ہر جگہ نظر آتی ہیں۔

مزید برایں، بڑے اور چھوٹے سرمایوں کی مقابلہ بازی میں ایک اہم صورت جامد اور گردشی سرمائے کے مابین تعلق ہے۔

''گردشی سرمایہ وہ ہے جو بہم رسانیوں (اشیائے خورد ونوش) کو بڑھائے، پیداواری عمل یا کاروبار میں لگایا جاتا ہے۔اس طریقے سے لگایا گیا سرمایہ اس کے لگانے والے کے لیے کوئی آمدنی یا منافع نہیں کماتا جبکہ یہ یا تو اسی کے قبضے میں رہے یا پھر ایک ہی شکل میں پڑا رہے۔یہ مسلسل اس کے ہاتھوں سے ایک شکل میں نکلتا اور دوسری شکل میں واپس آتا رہتا ہے اور اسی گردش یا انہیں متواتر تبدیلیوں اور منتقلیوں کے ذریعے سے ہی یہ کوئی منافع کما پاتا ہے۔ جامد سرمایہ ان سرمائے پر مشتمل ہے جو زمین کی بہتری، مفید مشینوں کی خریداری، کاروبار کے آلات اور اس طرح کی دیگر چیزوں پر استعمال ہوتا ہے

۔''(Ibid ص۲۴۳،۴۴)۔اس اقتباس کا حوالہ دیتے ہوئے مارکس نے اسے مختصر کر دیا ہے)

''جامد سرمائے کو سہارہ دینے کے خرچ میں کوئی بھی بچت معاشرے کی نٹ آمدن میں بڑھوتری کا کنایہ ہے۔کسی بھی کام کے منتظم کا سارا سرمایہ لازمی طور پر اس کے جامد اور گردشی سرمایے میں بٹا ہوتا ہے ۔جبکہ اس کا سارا سرمایہ ایک جیسا رہے،اس میں پہلے کا حصہ جتنا کم ہوگا،دوسرے کا لازماً اتنا ہی زیادہ ہو گا۔یہ گردشی سرمایہ ہی ہے جو خام مال اور محنت کی اجرتیں مہیا کرتا ہے اور صنعت کو حرکت میں لاتا ہے۔اس طرح جامد سرمائے کو برقرار رکھنے پر اٹھنے والے خرچ میں ہر بچت (محنت کی حاصل خیز قوتوں کی کم نہ کرے)وہ fond بڑھا دیتی ہے جو صنعت کو حرکت میں لاتا ہے۔

آغاز سے ہی یہ بات واضح ہے کہ جامد اور متحرک سرمائے کے تعلق میں چھوٹے سرمایہ دار کی بہ نسبت بڑے سرمایہ دار کے لیے زیاسہ مفید ہے۔وہ زائد جامد سرمایہ جو ایک بہت ہی چھوٹے بنکار کے مقابلے میں یا ک بہت بڑے بنکار کو مطلوب ہو،کسی وقعت کا حامل نہیں ہوتا۔بڑے زمین دار کا زرعی ساو سامان اسکی جا گیر کے سائز کے تناسب سے نہیں بڑھتا۔اس طرح وہ ساکھ جس سے ایک بڑا زمین دار چھوٹے (سرمایہ دار) کے مقابلے میں بہرہ مند ہوتا ہے اسے جامد سرمائے (یعنی نقد روپے کی وہ مقدار جو ہمیشہ اس کے پاس موجود ہونی چاہیے) کی زیادہ بچت کا فائدہ دیتی ہے۔آخراً،یہ واضح ہے کہ جہاں صنعتی محنت اپنے کمال کو پہنچ چکی ہو اور جہاں اس طرح تمام دستی محنت فیکٹری محنت بن چکی ہو وہاں چھوٹے سرمایہ دار کا کل سرمایہ بھی اسی ضروری جامد سرمائے کی فراہمی سے قاصر رہتا ہے۔

بڑے سرمایوں کا اجماع عموماً چھوٹے سرمایہ داروں سے متعلقہ جامد معین سرمائے کے مطابقتی ارتکاز اور سادہ سازی کے جلو میں آتا ہے۔

''اسی طرح،صنعت کے دائرے ۔۔ہر کارخانہ اور مل پہلے سے ہی متعدد اور مختلف النوع تعقلی استعدادوں کے ساتھ پہلے ست بڑی مدی اور تکنیکی مہارتوں (جو پیداوار کے مشترک مقصد کی خدمت کرتی ہیں) کا جامع مجموعہ ہے۔۔۔۔جہاں قانون سازی زمینی ملکیت کو لمبے چوڑے قطعوں میں محفوظ کرتی ہے وہاں بڑھتی ہوئی آبادی کی اضافی (تعداد)مختلف پیشوں میں غوطہ زن ہو جاتی ہے اور اس طرح،جیسا کہ یہ صورت برطانیہ میں ہے،کہ خاص طور پر صنعت کے میدان میں پرولتاریہ کی ایک بڑی تعداد اکٹھی ہو جاتی ہے۔تاہم جہاں قانون زمین کی مسلسل تقسیم کی اجازت دیتا ہے وہاں چھوٹے،قرض

کے بوجھ سے خمیدہ ملکیت داروں کی تعداد بڑھ جاتی ہے، جیسا کہ فرانس میں یہ صورت ہے، اور پھر قطع اراضی کا یہ مسلسل عمل انہیں حاجت مندوں اور ناصبوروں کی جماعت میں دھکیل دیتا ہے۔ جب آخر کار یہ تقطیعِ اراضی اور قرض داری اور بھی اونچے درجے جو پہنچتی ہے تو بڑی زمینی ملکیت ایک بار پھر چھوٹی ملکیت کو ہڑپ کر جاتی ہے، یعنی جیسے بڑے پیمانے کی صنعت چھوٹے پیمانے کی صنعت کو برباد کو دیتی ہے۔ اور چونکہ بڑی جاگیریں پھر سے پیدا ہوا جاتی ہیں اس لیے بے ملک مزدوروں کی ایک بڑی تعداد جو زمین کی کاشت کے لیے مطلوب نہیں ہے، ایک بار پھر صنعت میں دھکیل دی جاتی ہے (شولز۔۔۔، ص ۱۵۸، ۵۹)

''ایک خاص نوع کی اشیاء کا خاصہ طریقِ پیداوار میں تبدیلیوں کی وجہ سے اور خاص طور پر مشینری کے استعمال کی وجہ سے بدل جاتا ہے۔ صرف انسانی محنت کی منہائی سے ہی ۳ سلنگ ۸ پینس قیمت کی ایک پونڈ روئی سے ۱۶۷ انگریزی میل (یعنی ۳۶ جرمن میل) کی کل لمبائی کے اور ۲۵ جینوا کاروباری مالیت کے ۳۵۰ لچھے کا تنا ممکن ہوا ہے۔ (Ibid، ص ۶۲)

''پچھلے ۴۵ سالوں کے دوران انگلستان میں سوتی کپڑوں کی قیمتیں اوسطاً۔۔۔ کم ہو گئیں ہیں اور مارشل کے اندازوں کے مطابق مصنوعہ اشیاء کی ایک مقدار جس کے عوض ۱۸۱۴ء میں بھی ۱۶ شلنگ ادا کیے جاتے تھے اب ایک شلنگ اور دس پنس میں مہیا کی جاتی ہے۔ صنعتی اشیا کے زیادہ سستے دام اندرونِ ملک اور بیرونِ ملک دونوں جگہ ان کی کھپت کو بڑھا دیتے ہیں اور اسی وجہ سے برطانیہ میں مشینوں کے متعارف ہونے کے بعد سوت کا کام کرنے والے مزدوروں کی تعداد نہ صرف یہ کہ کم نہیں ہوئی بلکہ یہ چالیس ہزار سے ۱۵ لاکھ تک جا پہنچی ہے۔ جہاں تک صنعتی منتظموں اور مزدوروں کی کمائیوں کا تعلق ہے تو فیکٹری مالکان کے مابین بڑھتا ہوا مقابلہ ان کے منافعوں میں، ان کی طرف سے رسد کردہ اشیاء کی مقدار کے لحاظ سے، لازمی طور پر کمی کا باعث بنا ہے۔ ۱۸۲۰ء تا ۳۳ کے سالوں میں مانچسٹر کے سرمایہ داروں کا ایک پارچہ چھینٹ پر gross نفع چار شلنگ پونے دو پینس سے ایک شلنگ نو پینس تک کم ہو گیا۔ لیکن اس خسارے کا ازالہ کرنے کے لیے پیداوار کا حجم اسی تناسب سے بڑھ گیا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا۔۔۔ کہ صنعت کی مختلف برانچیں کس حد تک زائد پیداوار کی زد میں آ گئیں۔ بنگ دیوالیے عام ہو گئے جو ملکیت کی اتار چڑھاؤ کا موجب بنے اور انہیں نے سرمایہ داروں اور محنت کے آقاؤں کی جماعت میں عدم استحکام کو

ہوادی اور طرح چند معیشی طور پر تباہ حال (سرمایہ داروں) کو پرولتاریہ میں دھکیل دیا اور یہ کہ روزگار میں تعطل اور کٹوتیاں ضروری ہوگئیں جس کے دور ناک اثرات اجرتی مزدور ہمیشہ بڑی تلخی سے محسوس کرتے آئے ہیں۔(Ibid،ص۶۳)

''کسی کی محنت بھاڑے پر لینے کا مطلب اس کی غلام بنانے کو شروعات ہے۔محنت کے سامان بھاڑے پر لینا کسی کی آزادی کا قائم کرنا ہے۔۔۔۔محنت انسان ہے۔جبکہ دوسری طرف محنت کے سامان میں کچھ بھی انسانی نہیں ہے۔'' (پیکوار، سماجی نظریہ وغیرہ،ص۴۱۱،۱۲)

''مادے کا عنصر جو ایک دوسرے عنصر، محنت، کے بغیر دولت پیدا کرنے کا چنداں اہل نہیں ہے ان لوگوں کے لیے زرخیز ہونے کی جادوئی قوت حاصل کر لیتا ہے، جیسے کہ انہوں نے خود اپنے عمل سے وہاں یہ ناگزیر عنصر رکھا ہے۔(Ibid)

''فرض کریں کہ ایک مزدور کی یومیہ محنت اسے اوسطاً چار سو فرانک کی سالانہ آمدن دیتی ہے اور ایک بالغ کے لیے یہ رقم کسی قسم کی گنوارانہ زندگی گزارنے کے لیے کافی ہے تو پھر کوئی بھی ملکیت دار جو ایک فارم یا گھر کے کرائے سے ۲۰۰۰ فرانک حاصل کر رہا ہے، بلاواسطہ ۵ آدمیوں کو اپنے لیے کام کرنے پر مجبور کر رہا ہے ؛۱۰۰،۰۰۰ فرانک کی آمدنی دو سو پچاس آمیوں کی آمدنی کی نمائندگی کرتی ہے اور اسی طرح ۱،۰۰۰،۰۰۰ فرانک دو ہزار پانچ سو افراد کی محنت کی نمائندہ ہے (اور تین دو فرانک { لوئیس فلپ } کی آمدنی ۵۷۰،۰۰۰ مزدوروں کی محنت کے برابر ہے)۔''(Ibid،ص۴۱۲۔۱۳)

''انسانی قانون نے مالکان کو یہ حق دے رکھا ہے کہ وہ محنت کے سامان کا اپنی من مانی سے جیسا چاہیں جائز و ناجائز استعمال کریں۔۔۔قانون انہیں کسی لحاظ سے بھی اس پر مجبور نہیں کرتا کہ وہ مزدوروں کو ضرورت کے وقت اور بے ضرورت کام دیتے رہیں اور انہیں ہمیشہ مناسب اجرت ادا کرتے رہیں۔(Ibid،ص۴۱۳) پیداوار کی نوعیت، مقدار، قدر اور موقع سے متعلق؛ دولت کے استعمال اور واگزاری؛ اور تمام تر محنت کے سامان پر عبور کے متعلق مکمل آزادی (ہے)۔ہر کوئی اس میں آزاد ہے کہ وہ بطور فرد اپنے مفاد کے علاوہ کسی دوسری چیز کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے اپنے ملک میں ہر اس چیز کو جس طرح مناسب سمجھے تبادلہ کر لے۔''(Ibid،ص۴۱۳)

''مقابلہ بازی تبادلے کو آزادی کا اظہار ہے جو (تبادلے کو آزادی) بذاتِ خود فرد کے پیداوار کے

تمام آلات کے جائز اور ناجائز استعمال کے حق کا فوری اور منطقی حاصل ہے۔ جائز اور ناجائز استعمال کا حق، تبادلے کو آزادی، اور صوابدیدی مقابلہ بازی۔ یہ تین معیشی حرکی مرحلے، جو ایک اکائی بناتے ہیں ،درج ذیل نتائج کا موجب بنتے ہیں؛ ہر ایک وہی پیدا کرتا ہے جو وہ چاہتا ہے، جسے وہ چاہتا ہے، جب وہ چاہتا ہے، جہاں وہ چاہتا ہے۔ اعلیٰ پیداوار کرتا ہے یا ناقص پیداوار کرتا ہے، ضرورت سے زیادہ پیدا کرتا ہے یا ناکافی پیدا کرتا ہے، ضرورت سے بہت پہلے یا بہت بعد میں پیدا کرتا ہے، انتہائی اونچے داموں میں پیدار کرتا ہے یا انتہائی سستے داموں۔ کوئی نہیں جانتا کہ آیا وہ اس (پیداوار) بیچے گا بھی، کیسے بیچے گا، کہاں بیچے گا، کسے بیچے گا۔ وہ یہی حال خریداروں کا بھی ہے۔ پیداوار کنندہ حاجات اور ذرائع، طلب اور رسد سے بے خبر ہے۔ وہ بیچتا ہے جب وہ چاہتا ہے، جسے وہ چاہتا ہے، جس قیمت پر چاہتا ہے۔ اور وہ اسی انداز میں خریداری کرتا ہے۔ ان سبھی باتوں میں وہ ہمیشہ اتفاقات کا کھلونا بنا رہتا ہے۔ وہ زبردست ترین، سدا شادمان و بے فکر اور امیر ترین کے قانون کا غلام ہے۔۔۔ جہاں ایک جگہ قلت کا راج ہے تو دوسری طرف بسیار خوری اور ضیاع کا دور دورہ ہے۔ جہاں ایک پیداوار کنندہ بہت زیادہ یا انتہائی مہنگے داموں اور بہت زیادہ منافع پر (چیزیں) فروخت کرتا ہے وہاں دوسرا کچھ بھی بیچ نہیں پاتا یا گھاٹے پر بیچتا ہے۔۔۔ رسد طلب کے متعلق کچھ نہیں جانتی اور طلب رسد کے متعلق کچھ نہیں جانتی۔ آپ ایک ذوق ایک رواج (جو خرچ کرنے والے عوام میں مقبول ہے) پر تکیہ کر کے پیداوار کرتے ہیں۔ لیکن جس وقت آپ شے کو ترسیل کے لیے تیار ہوتے ہیں تو اس کی ترنگ پہلے ہی گزر چکی ہوتی ہے اور ایک دوسری نوع کی شے پر ٹک جاتی ہے ۔۔۔ اس کے ناگزیر نتائج :مستقلاً اور عمومی طور پر وقوع پذیر ہونے والے بنک دیوالیے، حسابی مغالطے، ناگہان بربادی اور غیر متوقع خوشی بختی، کاروباری بحران، بے روزگاری، نوبتی فراوانی اور قلیتیں، اجرتوں اور منافعوں کا عدم استحکام اور تنزل، بے رحم مقابلہ بازی کے اکھاڑے میں دولت، وقت اور سعی کا نقصان یا بے پناہ ضیاع۔'' (Ibid، ص۴۱۴-۱۶)

ریکارڈو اپنی کتاب (زمیں کا لگان) میں: قومیں محض پیدا وار خانے ہیں، انسان خرچ کرنے اور پیداوار کرنے کو ایک مشین ہے؛ انسانی زندگی ایک طرح کا سرمایہ ہے؛ معیشی قوانین بے باکی سے دنیا پر حکومت کرتے ہیں۔ ریکارڈو کے لیے انسان کچھ نہیں ہیں، پیداوار سبھی کچھ ہے۔ فرانسیسی ترجمے کے ۲۶ باب میں لکھتا ہے: ''ایک فرد کے لیے، جس کا ۲۰،۰۰۰ پونڈ سرمایہ اسے ۲،۰۰۰ پونڈ سالانہ نفع دیتا ہے، یہ

معاملہ چنداں اہمیت کا حامل نہیں کہ اس کا سرمایہ ایک سو کو ایک ہزار لوگوں کو روزگار دیتا ہے۔۔۔کیا قوم کا حقیقی مفاد اسی نوعیت کا نہیں ہوتا؟ فرض کریں کے اس کی نٹ حقیقی آمدنی، اس کا لگان اور منافع ایک سے ہی رہیں رو اس فرق کی چنداں کوئی وقعت نہیں کہ قوم دس پر یا بارہ ملین افراد پر مشتمل ہے۔'' ''در حقیقت، موسیو سس موندی (ٹی، II، ص ۳۳۱) کہتا ہے، ''پھر تو ماسوا ایک بادشاہ کے کسی کی ضرورت ہی نہیں رہتی جو ایک جزیرے پر تنہا رہ رہا ہے۔ وہ مسلسل ایک کلی گھمائے جا رہا ہے جو ایک کارحرکت پیدا کرتی ہے جو پورے انگلستان کا کاروبار چلاتی ہے۔''

وہ مالک جو مزدور کی محنت کو اتنی کم قیمت پر خریدتا ہے، جو اس مزدور کی انتہائی ناگزیر ضرورتوں کے لیے بھی نافی ہو، نہ تو اجرت کے ناکافی ہونے کے لیے ذمہ دار ہے نہ ہی محنت کے دورانیے میں ناروا توسیع کے لیے: اسے تو خود اس قانون کی اطاعت کرنا پڑتی ہے جو وہ خود لاگو کرتا ہے۔۔۔۔غربت کا سب اتنے انسان نہیں بنتے جتنی کہ اشیا کی قوت بنتی ہے۔ (بیورٹ، محولہ صدر کتاب، ص ۸۲)

''برطانیہ کے مختلف حصوں میں رہنے والوں کے پاس اتنا سرمایہ نہیں جو ان کی زمینوں کو بہتر بنائے اور کاشت کاری کے لیے کافی ہے۔ سکاٹ لینڈ کے جنوبی اضلاع کی اون، ٹوٹی پھوٹی سڑکوں پر ایک پمپے زمینی سفر کے بعد یارک شیئر میں مشینی عمل کے تحت لائی جاتی ہے۔ سرمائے کو قلت کی وجہ سے اپنے مقام پر اس پر مشینی عمل نہیں ہو پاتا۔ برطانیہ میں بہت سے صنعتی قصبے ایسے ہیں جہاں کے رہنے والوں کے پاس اتنا سرمایہ نہیں ہے کہ وہ اپنی صنعت کاری کی پیداوار کو ان دور دراز منڈیوں تک پہنچا سکیں جہاں ان کی طلب اور کھپت موجود ہے۔ اگر ان کے درمیان کچھ تاجر موجود ہیں تو وہ بھی محض ان دولت مند وتاجروں کے نمائندے ہیں جو بڑے کاروباری شہروں میں رہتے ہیں۔ (سمتھ، دولتِ اقوام، جلد اول، ص ۲۷، ۲۸)

''کسی قوم کی زمین اور محنت کی سالانہ پیداوار کو اس کی قدر میں صرف اسی طریقے سے بڑھایا جا سکتا ہے کہ یا تو اس کے حاصل خیز مزدوروں کی تعداد کو بڑھایا جائے یا ان مزدوروں کی حاصل خیز قوتوں کو بڑھا یا جائے جنہیں پہلے کام پر لگا دیا گیا تھا۔۔۔ ہر دو معاملے میں اضافی سرمائے کی تقریباً ہمیشہ ہی ضرورت رہتی ہے۔'' (Ibid، ص ۳۰۶، ۷)

چونکہ سٹاک کے اجماع کو، دستور کے مطابق، تقسیم کار سے مقدم ہونا چاہیے، اس لیے محنت کو اسی حساب سے زیادہ سے زیادہ مزید تقسیم کیا جا سکتا ہے جتنا کہ سٹاک قبل ازیں زیادہ سے زیادہ جمع کر لیا گیا

ہو۔خام مال کی وہ مقدار جسے لوگوں کی ایک ہی تعداد ریز کار لا سکتی ہے اور جوں جوں مزدور کے افعال بتدریج زیادہ سے زیادہ کم پیچیدہ ہوتے جاتے ہیں توں توں مختلف قسم کی نئی مشینیں ان افعال کو آسان بنانے اور مختصر کرنے کے لیے ایجاد ہوتی جاتی ہیں۔اسی طرح جیسے ہی تقسیمِ کار میں مزید پیش رفت ہو تو اس کے برابر مزدوروں کو مستقل روزی فراہم کرنے کے لیے اسی حساب سے اشیائے خوردونوش اور اس (مقدار) سے کہیں زیادہ خام مال اور آلاتِ کار کا زخیرہ قبل ازیں اکٹھا کر لینا چاہیے جس کی کہ اشیاء کی زیادہ ناپختہ حالت میں ضرورت ہوتی ہے۔لیکن کاروبار کے ہر شعبے میں مزدوروں کی تعداد عموماً متعلقہ شعبے میں تقسیمِ کار کے مطابق بڑھتی ہے یا پھر یہ ان کی تعداد میں اضافہ ہے جو انہیں اپنے آپ کو اس انداز میں جدا کرنے اور مزید تقسیمِ کار کرنے کے قابل بناتا ہے۔(Ibid،ص۲۴۱،۴۲)

چونکہ سٹاک کا اجماع محنت کی حاصل خیز قوتوں میں اس عظیم ترقی کے لیے قبل ازیں ضروری ہے اس لیے یہ اجماع فطری طور پر فطری طور پر اس ترقی کا پیش خیمہ بنتا ہے۔وہ شخص جو اپنے سٹاک کو محنت کو برقرار رکھنے کے لیے لگاتا ہے، لازماً وہ اسے اس انداز میں لگانا چاہتا ہے کہ یہ کام کے لیے اتنی زیادہ مقدار پیدا کرے جتنی کے ممکن ہو۔اس لیے وہ کوشش کرتا ہے کہ وہ اپنے کارکنوں کے درمیان کام کی انتہائی موزوں تقسیم کرے اور انہیں وہ بہترین مشینیں مہیا کرے جنہیں وہ خود ایجاد کر سکتا ہے یا پھر خریدنے کی استطاعت رکھتا ہے۔ان دونوں معاملوں میں اس کی صلاحیتیں عموماً اس کے سٹاک کی اس وسعت یا لوگوں کی اس تعداد کے ساتھ متناسب ہوتی ہیں جنہیں یہ (سٹاک) کام پر لگا سکتا ہے۔اس طرح پر ملک میں مشقت کی مقدار نہ صرف اسے کام پر لگانے والے سٹاک میں اضافے کے ساتھ بڑھ جاتی ہے بلکہ اس بڑھوتری کے نتیجے میں مشقت کی یہی مقدار کام کی ایک کہیں بڑی مقدار پیدا بھی کرتی ہے (Ibid،ص۲۴۲) اس طرح یہ زائد پیداوار کا باعث بنتی ہے۔

صنعت اور کاروبار دونوں میں بڑے پیمانے کے منصوبوں میں کثیر تر اور زیادہ متنوع انسانی اور فطری قوتوں کو یکجا کر کے ۔۔۔حاصل خیز قوتوں کے جامع combinations حاصل کیے جاتے سکتے ہیں۔پیداوار کی اہم برانچوں کا قریبی اتحاد پہلے ہی جا بجا عمل میں آچکا ہے۔اس طرح، بڑے صنعت کار بڑی بڑی جاگیریں حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ وہ اپنی صنعت کی مطلوب خام مال کے کم از کم ایک جز کے حصول کے لے دوسروں پر انحصار کرنے سے آزاد ہو سکیں۔پھر وہ اپنی صنعتی enterprises

کے ساتھ کاروبار کی طرف رجوع کر لیتے ہیں۔ان سے ان کا مقصد نہ صرف اپنی مصنوعات کی فروخت ہوتا ہے بلکہ دوسرے انواع کی اشیاء خریدنا اور انہیں مزدوروں کے آگے بیچنا بھی ہوتا ہے۔انگلستان میں، جہاں صرف ایک کارخانہ بعض اوقات دس سے بارہ ہزار مزدوروں کی کام دیتا ہے،ایک دماغ کے زیر انتظام پیدا وار کی برانچوں کے اس طرح کے combinations (یعنی ریاست کے اندر ایسی ریاستوں یا علاقوں) کا ملنا کوئی اچنبے کی بات نہیں رہی۔چنانچہ برمنگھم کے علاقے میں کانوں کے مالکان نے حال ہی میں لوہے کی پیداوار کے پورے عمل کا بندوبست اپنے ہاتھوں میں کرلیا ہے جو قبل ازیں مختلف صنعتی منتظمین اور مالکان میں بٹا ہوا تھا۔ملاحظہ کیجیے ۔۔۔۔۔۔نمبر۔۔۔۱۸۳۸ء۔آخراً بڑی مشترکہ سٹاک والی enterprises،جن کی اب بہت زیادہ کثرت ہوگئی ہے،میں ہم نے بہت سے حصہ داروں کے مالی ذرائع کے ساتھ دوسرے (حصہ داروں جنہیں کام کا بندوبست سونپ دیا گیا ہے) کی سائنسی اور تکنیکی سوجھ بوجھ اور مہارتوں کے ساتھ مؤثر combinations عمل میں لائے گئے ہیں۔اس طرح سرمایہ دار اس قابل ہوگئے ہیں کہ وہ اپنی بچتوں کو زیادہ متنوع طریقوں سے استعمال میں لاسکیں اور شاید وہ ایک ہی وقت میں انہیں زراعت،صنعت اور کاروبار تینوں میں لگانے کے قابل ہوگئے ہیں۔اس کے نتیجے میں ان کا مفاد زیادہ جامع ہوگیا ہے۔اور زرعی،صنعتی اور کاروباری مفادات کے مابین تضادات کم،حتیٰ کہ ناپید ہی ہوگئے ہیں۔لیکن سرمائے کو منافع بخش انداز میں،انتہائی متنوع طریقوں سے لگانے کا یہ افزودہ امکان ملکیت داروں اور بے ملک طبقوں کے مابین مخاصمت کو زیادہ شدید ہی کرسکتا ہے (شولز،ا،،ص۴۰،۴۱)

وہ بے پناہ منافع جو گھر کے مالکان غربت سے نٹورتے ہیں۔کرایہ مکان کا صنعتی غربت کے ساتھ معکوس تناسب ہے۔(معیارِ زندگی جتنا گھٹیا ہوگا کرایہ مکان اتنا ہی زیادہ ہوگا۔)

یہی حال اس سود کا ہے وج تباہ حال پرولتاریہ کی بدفعلیوں سے حاصل کیا جاتا ہے۔(رنڈی بازی،بد مستی؛ مرتہن) سرمایوں کا اجماع بڑھتا جاتا ہے اور ان کے مابین مقابلہ گھٹتا جاتا ہے،جبکہ سرمایہ اور زمینی ملکیت ایک ہی ہاتھ میں یکجا ہو جاتی ہے اور تب بھی جب سرمائے کو اس کے سائز کی بدولت پیداوار کی مختلف برانچوں کو ملانے کے قابل بنادیا جاتا ہے۔

آدمیوں سے متعلق بے پروائی،سمتھ کے بیس لاٹری ٹکٹ۔

زمین کا کرایہ

زمین دار کے حق کی ابتداڈاکازنی سے ہوتی ہے۔

زمین دار کے حق کا ماخذ ڈاکازنی ہے۔(سے، ٹی، ا، ص ۱۳۶) زمین دار، تمام دیگر انسانوں کی طرح ،وہ کاٹنا پسند کرتا ہے جسے وہ کبھی بوتا نہیں اور زمین کو قدرتی پیداوار کے لیے بھی لگان کا تقاضا کرتا ہے ۔(سمتھ ،،ض ۴۴)

''یہ خیال کیا جاسکتا ہے کہ زمین کا لگان زیادہ تر اس معقول منافع یا سود سے زیادہ نہیں ہو۔۔۔ بلاشبہ چند معاملات میں جزوی طور پر ایسا ہی ہوتا ہے۔ زمین دار (۱) غیر اصلاح شدہ زمیں پر بھی لگان کا مطالبہ کرتا ہے اور اس کی اصلاح پر اٹھنے والے خرچ کا مفرضہ سود یا منافع اس پر مستزاد ہے۔ (۲) علاوہ ازیں یہ اصلاحات ہمیشہ زمین دار کے سٹاک سے نہیں کی جاتیں بلکہ بعض اوقات ٹھیکے دار کے (سٹاک) سے کی جاتی ہیں۔ تاہم جب ٹھیکے کو تجدید کا وقت آتا ہے تو زمین دار عموماً لگان میں انہیں اضافے کا مطالبہ کرتا ہے جیسے کہ (ساری اصلاح) اسی کی کاوش کا نتیجہ ہے۔ بسا اوقات اس کے لیے لگان کا مطالبہ کرتا جو اصلاح کاری کے بس سے بالکل باہر ہے۔

سمتھ نے اس آخری صورت کے لیے کیلپٹ کی مثال دی ہے جو سمندر گھاس کی ایک قسم ہے جسے جالنے پر قلمی شورہ حاصل ہوتا ہے جو شیشہ اور صابن بنانے کے کام آتا ہے۔ یہ برطانیہ کے کئی ایک حصوں اور خاص طور پر سکاٹ لینڈ میں اگتی ہے۔ یہ صرف ایسی چٹانوں پر اگتی ہے جن کے اردگرد پانی کی سطح بلند رہتی ہے اور جو روزانہ دو بار پانی سے دھک جاتی ہیں اور اس طرح اس گھاس کی افزائش میں انسانی مزقت کا کبھی کوئی حصہ نہیں رہا۔ تاہم وہ زمین دار جس کی جاگیر اس طرح کے کیلپٹ کے ساحل سے گھری ہوئی ہو اس کا اتنا ہی لگان طلب کرتا ہے جتنا کہ ناج کے کھیتوں کا۔ شٹ لینڈ کے جزیروں کے گرداگرد اسمندر میں عموماً مچھلیوں کی فراوانی ہوتی ہے جو وہاں کے باسیوں کی خوارک کا ایک بڑا حصہ بانٹتی ہیں۔ لیکن پانی کی پیداوار سے نفع کمانے کے لیے انہیں نواحی زمین پر رہائش اختیار کرنا پڑتی ہے۔ زمیں دار کا لگان اس حساب سے مقرر نہیں ہوتا جو کسان زمیں کے استعمال سے حاصل کرتا ہے بلکہ اس کے حساب سے مقرر ہوتا ہے جو وہ زمین اور پانی کے استعمال سے حاصل کرتا ہے۔ (Ibid، ص ۱۳۱)

اس لگان سے قدرت کی ان قوتوں کی پیداوار مراد لی جا سکتی ہے جن کا استعمال زمین دار کسان کو کرائے پر دے دیتا ہے۔ یہ ان قوتوں کی مفرضہ وسعت کے اعتبار سے یا دوسرے لفظوں میں زمین کی مفرضہ قدرتی یا اصلاح شدہ زرخیزی کے اعتبار سے کم یا زیادہ ہوتا ہے۔ یہ قدرت کا کام ہی ہے جو ہر اس چیز کو منہا کرنے یا اس کا بدلی چکانے کے بعد باقی بچ رہتا ہے جسے انسان کا کارنامہ سمجھا جا سکتا ہے۔(Ibid،ص ۳۲۴،۲۵)

اس زمین کا لگان جسے زمین کے استعمال کے لیے ادا کی جانے والی قیمت سمجھا جاتا ہے، فطرتاً ایک اجارہ دارانہ قیمت ہے۔ یہ (قیمت) قطعاً اس (خرچ) سے متناسب نہیں ہوتی جو زمین دار نے زمین کی اصلاح کے لیے اٹھایا ہوتا ہے اور نہ ہی اس سے متناسب ہوتی ہے جسے لینے کا وہ مقدور رکھتا ہے بلکہ اس سے متناسب ہوتی ہے جسے کسان دینے کا مقدور رکھتا ہے۔''(Ibid،ص ۱۳۱)

تین بنیادی طبقات میں سے زمین دار ایک ایسا طبقہ ہیں'' جسے اپنی آمدنی کے لیے نہ محنت کرنا پڑتی ہے اور نہ ہی کوئی دیکھ بھال اور ایسا لگتا ہے کہ وہ ان کے پاس اپنی مرضی سے، ان (زمین داروں) کی اپنے کسی منصوبے یا پروجیکٹ سے آزاد چلی آتی ہے۔

ہم پہلے ہی جان چکے ہیں کہ لگان کا سائز زمین کی زرخیزی کے درجے پر منحصر ہوتا ہے اس کی تعیین میں ایک اور عامل اس کی نوعیت ہے۔

''زمین کا لگان نہ صرف اس کی زرخیزی کے ساتھ بدلتا ہے، قطع نظر اس سے کہ اس کی پیداوار کیا ہے، بلکہ اس کی نوعیت کے ساتھ بھی بدلتا ہے، قطع نظر اس سے کہ وہ کتنی زرخیز ہے۔''(Ibid،ص ۱۳۳)

''زمیں، کانوں اور ماہی گیری گاہوں کی پیداوار، جبکہ ان کی قدرتی زرخیزی برابر ہو، ان پر لگائے جانے والے سرمایوں کی حد اور موزوں استعمال کے ساتھ متناسب ہوتی ہے۔ جب سرمائے برابر ہوں اور موزوں انداز سے لگائے گئے ہوں تو یہ (پیداوار) ان کی قدرتی زرخیزی کے ساتھ متناسب ہوتی ہے۔''(Ibid،ص ۲۴۹)

سمتھ کے یہ مفروضات اہمیت کے حامل ہیں۔ کیونکہ اگر پیداوار کی لاگتیں برابر ہوں اور سرمایہ ایک سے سائز کا ہوت تو یہ دکھا دیتے ہیں کہ زمین کا لگان مٹی کی کم یا زیادہ زرخیزی پر منحصر ہے۔ اس طرح یہ سیاسی معیشت (جو زمین کی زرخیزی کو زمین دار کی صفت بنا دیتی ہے) میں تصورات کی تحریف کو واضح

طور پر آشکار کر دیتے ہیں۔

تاہم اب آیئے ہم دیکھتے ہیں کہ زمین کے لگان کی حقیقی زندگی میں کیا شکل بنتی ہے۔

زمین کا لگان ٹھیکے دار اور زمین دار کے مابین کش مکش کے نتیجے کے بطور قائم کیا جاتا ہے۔ہم پاتے ہیں کہ مفادار کی اس حریفانہ مخاصمت، اس جنگ کو سیاسی معیشت سیاسی تنظیم کی بنیاد کے بطور تسلیم کرتی آئی ہے۔آیئے اب ہم دیکھتے ہیں کہ زمین دار اور ٹھیکے دار کے مابین تعلقات کیا ہیں۔

ٹھیکے کی شرائط طے کرتے ہوئے زمین دار کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ وہ اس کے لیے پیداوار کا اس سے زیادہ حصہ نہ چھوڑے جو اس زخیرے کو برقرار رکھنے کے لیے کافی ہو جس سے وہ بیج مہیا کرتا ہے، مزدوری ادا کرتا ہے، مویشیوں اور کھتی باڑی کے دیگر آلات کو خریدتا اور ان کی دیکھ ریکھ کا خرچ برداشت کرتا ہے اور (ان اخراجات) کے علاوہ (وہ اسے) علاقے میں کھتی باڑی کرنے کے سٹاک کا معمولی منافع ہی رکھنے دیتا ہے۔ظاہر ہے کہ وہ کم سے کم منافع ہے جس پر ٹھیکے دار زیاں کار بنے بغیر قناعت کر سکتا ہے اور زمین دار کبھی کبھار ہی اسے اس سے زیادہ دینے پر آمادہ ہوتا ہے۔ پیداوار کا جو بھی حصہ یا یوں کہنا چاہیے کہ۔۔۔وہ عموماً اپنے لیے بطور لگان مبینہ طور پر وہ زیادہ سے زیادہ (حصہ) مختص کرنے کی کوشش کرتا ہے جسے ٹھیکے دار زمین کی حقیقی صورتِ حال کے مطابق ادا کرنے کی استطاعت رکھتا ہے۔تاہم پھر بھی اس حصے کو زمین کا بمطابق دستور لگان یا وہ لگان سمجھا جاتا ہے جس پر زمین اکثر و بیشتر پٹے پر چڑھا دی جاتی ہے۔(Ibid، ص۱۳۰، ۳۱)

سے کہتا ہے کہ ''زمین دار ٹھیکے داروں کے خلاف ایک خاص قسم کی اجارہ داری روا رکھتے ہیں۔ان کی شے، جگہ اور مٹی، کی طلب غیر معینہ طور بڑھتی رہ سکتی ہے۔لیکن ان کی شے کی مقدار مستقل اور محدود ہوتی ہے۔۔۔۔۔زمین دار اور ٹھیکے دار کے مابین سودے بازی ہمیشہ اول الذخر کے لیے ممکنہ انتہائی حد تک فائدے مند رہتی ہے۔اس فائدے کے علاوہ جو وہ اس صورتِ حال سے حاصل کرتا ہے وہ اپنے رتبے، اپنے اچھے نصب اور اپنی ساکھ اور سماجی مقام سے مزید فائدہ حاصل کرتا ہے۔لیکن مؤخر الذکر فائدہ ہی اسے اپنے آپ میں اور صرف اسی کو اپنی زمین کے سازگار حالات سے مستفید ہونے کے اہل بنانے کے لیے کافی ہے۔نہر یا سڑک کی تعمیر، ضلع میں آبادی یا خوشحالی میں اضافہ ہمیشہ لگان کو بڑھا دیتا ہے۔۔۔۔در اصل، ٹھیکے دار اپنے خرچے پر زمین کو بہتر بنا سکتا ہے لیکن وہ اس خرچ سے اپنے معاہدے کی مدت تک ہی

فائدہ اٹھا سکتا ہے اور مدت ختم ہونے پر یہ (فائدہ) زمین کے مالک کے ہاتھ لگ جاتے ہے۔ یہ اس طرح یہ مؤخر الذکر (زمین دار) ہی ہے جو اس محنت کا ثمر کھاتا ہے جو اس نے کی ہی نہیں کیونکہ اب لگان میں (زمین کی زرخیزی) کے لحاظ سے اضافہ ہو جاتا ہے۔ (سے۔ٹی، II، ص۱۴۲، ۴۳)

لگان، جسے زمین کے استعمال کی قیمت سمجھا جاتا ہے، عموماً (پیداوار) کا وہ زیادہ سے زیادہ حصہ ہوتا ہے جو ٹھیکے دار زمین کے حقیقی حالات میں ادا کرنے کی استطاعت رکھتا ہے۔ (سمتھ، ص۱۳۰)

''کسی قطعِ ارض کا لگان عموماً اس کے برابر ہوتا ہے جسے (gross) پیداوار کا تیسرا حصہ تصور کیا جاتا ہے اور یہ عموماً جو حتمی اور فصل میں رونما ہونے والے حادثاتی تغیرات سے بے نیاز ہوتا ہے۔'' (Ibid، ص۱۵۳) یہ لگان کبھی کبھار ہی کل پیدا وار کے۔۔۔ایک چوتھائی سے کم ہوتا ہے۔ (Ibid، ص۳۲۵)

زمین کا لگان تمام اشیاء پر ادا کیا نہیں جا سکتا۔ مثال کے طور پر اکثر علاقوں میں پتھروں پر کوئی لگان ادا نہیں کیا جاتا۔

''عموماً زمین کی پیدا وار کے وہی حصے منڈی میں لائے جا سکتے ہیں جن کی معمولی (ordinary) قیمت اس کے معمولی منافع کے ساتھ اس لاگت کے بدلے میں کافی ہو جو اسے وہاں تک (منڈی میں) لانے کے لیے لگائی گئی ہے۔ اگر معمولی قیمت اس سے زیادہ ہوت وعموماً اس کا زائد حصہ زمیں کے لگان میں چلا جاتا ہے۔ اگر یہ اس سے زیادہ نہیں ہے تو اگر شے منڈی میں لائی بھی گئی ہو یہ زمین کے لگان کی متحمل نہیں بن سکتی۔ کیا قیمت طلب طلب پر منحصر ہے یا نہیں ہے۔'' (Ibid، ص۱۳۲)

''اس طرح ہم نے یہ جانا ہے کہ لگان اجرتوں اور منافع سے ایک الگ طریقے سے اشیاء کی قیمت کی تشکیل میں شامل ہوتا ہے۔ یہ زیادہ یا کم اجرتیں اور منافع قیمتوں میں اضافے یا کمی کا باعث بنتی ہیں؛ زیادہ یا کم لگان اس کا اثر ہے۔'' (Ibid، ۱۳۲)

خوراک ان اشیاء میں سے ہے جن سے ہمیشہ زمیں کا لگان حاصل ہوتا ہے۔

''چونکہ، دیگر تمام حیوانات کی طرح، انسانوں کی تعداد ان کی خوراک کے ذرائع کے تناسب سے زیادہ ہوتی ہے اس لیے خوراک کی طلب، کم ہو یا زیادہ ہمیشہ رہتی ہے۔ یہ ہمیشہ محنت کی بڑی یا چھوٹی مق دار کو خرید سکتا ہے یا اس پر تصرف کر سکتی ہے اور ہمیشہ کوئی ایسا شخص مل جاتا ہے جو برضا اسے حاصل کرنے

لے لیے کچھ کرنے کو تیار ہو جاتا ہے۔ دراصل محنت کی وہ مقدار جو یہ (خوراک) خرید سکتی ہے، ہمیشہ (بوجہ ان زیادہ اجرتوں کے جو بعض اوقت محنت کو دی جاتی ہیں) اس کے برابر نہیں ہوتیں جسے یہ برقرار رکھ سکتی اگر اسے انتہا یہ کفایتی انداز میں manag کیا جاتا۔ لیکن وہ ہمیشہ محنت کی اتنی مقدار خرید سکتی ہے جسے وہ برقرار رکھ سکتی ہے اور اس شرح کے مطابق کہ جس پر اس طرح کی محنت اس علاقے میں برقرار رکھی جا سکتی ہے۔ لیکن زمین، کسی بھی ممکنہ صورتِ حال میں، خوراک کیا تنی زیادہ مقدار پیدا کر لیتی ہے جو اسے منڈی میں لانے کی تمام تر ضروری محنت کو اس فیاضانہ انداز میں برقرار کرنے کے لیے کافی ہوتی ہے جس سے کہ محنت کو کبھی برقرار رکھا گیا ہے۔ یہ زائد بھی اس سے زیادہ ہوتی ہے جو اس سٹاک کے علاوہ اس کے منافعوں کے معاوضے کے لیے بھی کافی جو اس محنت کو کام پر لاگاتا ہے۔ اس طرح زمیں دار کے لگان کے لیے ہمیشہ کچھ نہ کچھ بچ رہتا ہے۔'' (Ibid، ص۱۳۲، ۳۳)

''اس لحاظ سے خوراک نہ صرف لگان کا اصلہ ذریعہ بلکہ زمین کی پیداوار کا ہر وہ حصہ جو بعد ازاں اس لاگنا کا متحمل بنتا ہے اپنی قدر کا وہ حصہ زمین کے اصلاح اور تہذیب و ترتیب کی بدولت خوراک پیدا کرنے میں محنت کی قوتوں میں بہتری سے حاصل کرتی ہے۔'' (Ibid، ص۱۵۰)

ایسا لگتا ہے کہ انسانی خورات ہی زمین کی پیداوار وہ واحد پیداوار ہے جو ہمشیہ اور لازمی طور پر زمین دار کے لیے کچھ لگان کی متحمل بنتی ہے۔'' (Ibid، ص۱۴۷)

''ملک لوگوں کی اس تعداد کے تناسب سے پُر جمعیت (populous) نہیں ہیں جنہیں ان کی پیداوار کپڑا اور مکان مہیا کر سکتی ہے بلکہ اس تناسب سے (پُر جمعیت) ہیں جنہیں یہ (پیداوار) خوراک مہیا کر سکتی ہے۔'' (Ibid، ص۱۴۹)

''روٹی کے بعد کپڑا اور مکان انسانیت کی دو اہم ضروریات ہیں۔'' (Ibid، ص۱۴۷) عموماً ان سے لگان حاصل ہوتا ہے، مگر یا لازمی نہیں۔ آیئے اب ہم دیکھتے ہیں کہ کس طرح زمین دار ہر اس چیز کا استحصال کرتا ہے جس سے معاشرہ فائدہ حاصل کرتا ہے۔

۱) زمین کا لگان آبادی میں اضافے سے بڑھ جاتا ہے۔

۲) سے نے ہمیں بتا دیا ہے کہ کیسے زمین کا لگان ریلوے وغیرہ اور ذرائع نقل و حمل کی ترقی، حفاظت اور کثرت کے ساتھ بڑھ جاتا ہے۔

۳)''معاشرے کے حالات میں کسی بھی نوع کی بہتری بالواسطہ یا بلاواسطہ زمین کے لگان کو بڑھانے، زمین دار کی حقیقی دولت میں اضافے، اس کی محنت کو خریدنے کی طاقت، یا دورے لوگوں کی محنت کی پیداوار میں اضافے کا باعث بنتی ہے۔(زمین کی) اصلاح اور تہذیب و ترتیب میں توسیع بلا واسطہ اس (لگان) میں اضافے کا باعث بنتی ہے۔ پیداوار میں اضافے سے زمین دار کے پیداوار کے حصے میں لازمی طور پر اضافہ ہو جاتا ہے۔۔۔۔مثال کے طور پر مویشیوں کی قیمت مین اضافہ بھی نی صرف بلاواسطہ لگان میں اضافے بلکہ نسبتاً زیادہ اضافے کا باعث بنتا ہے۔زمین دار کے حصے کی حقیقی قدر، اس کی دوسروں کی محنت پر گرفت نہ صرف پیداوار کی حقیقی قدر (میں اضافے) کے ساتھ بڑھتی ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ کل پیداوار میں اس کے حصے کا تناسب بھی بڑھ جات اہے۔اس پیداوار کو، ازیں بعد کہ اس کی حقیقی قیمت بڑھ جائے، اٹھانے کے لیے پہلے سے زیادہ محنت درکار نہیں ہوتی۔اس لیے اس کا تھوڑا سا حصہ ہی سٹاک کے معاوضے (اور اس کے ساتھ اس کے معمولی منافع) کے لیے کافی ہوتا ہے جو اس محنت کو کام پر لگاتا ہے۔آخرِ کار اس کا بڑا حصہ زمین دار کی ہی ملکیت بنتا ہے۔(Ibid، ص ۲۲۸۔۲۹)

خام پیداوار کی زیادہ طلب اور اس طرح قدر میں اضافے کا سبب جزوہ طور پر آبادی میں اور اس کی ضروریات میں اضافہ وہ سکتا ہے۔لیکن ہر ایجاد، قبل ازیں نا استعمال کردہ یا کم استعمال کردہ خام مال پیدا واری عمل میں استعمال زمین کے لگان کا دروازہ کھلو دیتا ہے۔تاہم، مثال کے طور پر ریلوے اور باپ سے چلنے والے جہازوں کے ظہور سے کوئلے کی کانوں کے لگان میں بے تحاشا اضافہ ہو گیا۔

اس فائدے کے علاوہ، جو زمین دار پیداواری عمل، دریافتوں اور محنت سے حاصل کرتا ہے، ایک اور (فائدہ) بھی ہے جس کا ہم ابھی جائزہ لیں گے۔

۴) محنت کی پیداواری قوتوں میں وہ تمام تر بہتریاں جو کارخانہ داروں کی حقیقی قیمت کو بلا واسطہ کم کرنے میں مدد دیتی ہیں وہی بلا واسطہ زمین کے لگان بڑھانے کی ذمہ دار بھی بنتی ہیں۔زمین دار اپنی rude پیداوار کے اس حصے کا، جو اس استعمال سے زائد ہے، یا یوں کہیے کہ، اس پیداوار کے اس زائد حصے کا تبادلہ مصنوعہ پیداوار سے کرتا ہے۔جو کچھ بھی مؤخرالذکر (کی قیمت) کو گھٹانے کے کام آتا ہے اول الذکر کی مساوی مقدار کے بدلے میں مؤخرالذکر کی پہلے سے زیدہ مقدار حاصل ہونے لگتی ہے اور زمین دار زیادہ بڑی مقدار میں سامانِ آسائش و تعیش خریدنے کے قابل ہو جاتا ہے۔۔۔۔(Ibid، ص ۲۲۹)

لیکن اس سے س، متھ کی طرح، یہ نتیجہ اخذ کرنا خلافِ عقل ہے کہ چونکہ زمین دار معاشرے کے ہر مفاد کا استحصال کرتا ہے اس لیے زمین دار کا مفاد ہمیشہ معاشرے کے مفاد سے ہم آہنگ ہوتا ہے (Ibid، ۲۳۰) نجی ملکیت کے حکم کے ماتحت معیشی نظام میں فرد کا معاشرے میں مفاد معاشرے کے اس میں مفاد سے سراسر معکوس تناسب میں ہوتا ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے مہاجن کا فضول خرچ میں مفاد کبھی بھی فضول خرچ کے مفاد سے ہم آہنگ نہیں ہوتا۔

علاوہ ازیں ہم قرونِ وسطیٰ کی serfdom، نوآبدی کی غلامی اور برطانیہ میں دیہاتیوں اور دیہاڑی دار مزدوروں کی ناگفتہ بہ حالت کا تذکرہ بھی کریں گے۔ آیئے ہم خود کو سیاسی معیشت کے اقوال تک ہی محدود رکھتے ہیں

۱) زمین دار کا معاشرے کی فلاح میں دلچسپی لینے کا مطلب، سیاسی معیشت کے اصولوں کے مطابق، یہ ہے کہ وہ اس (معاشرے) کی آبادی اور پیداوار میں اضافے، اس کی ضروریات میں توسیع اور، قصہ کوتاہ یہ کہ، دولت میں اضافے میں دلچسپی لے رہا ہے اور ہم یہ پہلے ہی ۔۔ چکے ہیں کہ دولت میں اضافہ افلاس اور غلامی سے ہم آہنگ ہے۔ بڑھتے ہوئے کرایہ مکان اور بڑھتے ہوئے افلاس کا تعلق زمین دار کے معاشرے میں مفاد کی ایک مثال ہے۔ کیونکہ کرایہ مکان میں اضافے کے ساتھ ہی لگان (یعنی اس زمین سے حاصل کردہ نفع جس پر یہ مکان کھڑا ہے) بھی بڑھ جاتا ہے۔

۲) خود سیاسی معیشت دانوں کے کہے کے مطابق زمین دار کا مفاد لگان دار کسان کے مفاد کے ساتھ معاندانہ مخالفت میں ہے۔ اور یہ (لگان دار کسان) معاشرے کی ایک اہم جماعت ہیں۔

۳) زمین دار لگان دار کسان سے جتنے زیادہ لگان کا مطالبہ کرتا ہے کسان اجرتوں میں اتنی ہی کمی کرتا ہے جاتا ہے اور وہ جتنی زیادہ اجرتیں کم کرتا ہے زمین دار اتنے ہی زیادہ لگان کا تقاضا کرتا ہے۔ تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ زمین دار کا مفاد کھیت مزدور کے مفاد کا اتنا ہی دشمن ہے جتنا کہ کارخانہ داروں (کا مفاد) اس کے مزدوروں (کے مفاد) کا۔ یہ اس انداز میں اجرتوں کو کم کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ چونکہ مصنوع اشیاء کی قیمت میں حقیقی کمی زمین کے لگان میں اضافے کا باعث بنتی ہے اس لیے صنعتی مزدوروں کی اجرتوں میں

کمی، سرمایہ داروں کے مابین مقابلہ بازی، زائد پیداوار، اور صنعتی پیداوار سے وابستہ تمام تر بدحالی سے زمین دار کا براہِ راست مفاد جڑا ہوا ہے۔

اس طرح زمین دار کا مفاد معاشرے کے مفاد سے ہم آہنگ ہونے کے برخلاف لگان دار کسان، کھیت مزدوروں، فیکٹری مزدوروں اور سرمایہ داروں (کے مفاد) سے معاندانہ مخالفت قائم کرتا ہے تو دوسرے طرف ایک زمین دار کا مفاد دوسرے (زمین دار کے مفاد) سے بھی ہم آہنگ نہیں ہوتا بوجہ اس مقابلہ بازی کے جس کا ہم ابھی مطالعہ کریں گے۔

عمومی طور پر بڑی زمینی ملکیت کا چھوٹی (زمینی ملکیت) کے ساتھ تعلق بڑے اور چھوٹے سرمایہ (کے تعلق) کی طرح ہے۔ لیکن اس پر مستزاد یہ کہ کچھ خاص حالات ایسے ہیں جو بڑی زمینی ملکیت کے اجماع اور اس چھوٹی ملکیت کے انضمام کا باعث بنتے ہیں۔

۱) کہیں بھی سٹاک کا سائز بڑھنے سے مزدوروں اور آلاتِ کار کی متناسب تعداد میں اتنی کمی نہیں ہوتی جتنی کے زمینی ملکیت کے معاملے میں ہوتی ہے۔ اسی طرح مجموعی استحصال، پیداواری لاگتوں کی معیشی بنانے اور مؤثر تقسیم کار کا امکان کہیں بھی سٹاک کے سائز کے ساتھ اتنا نہیں بڑھتا جتنا کہ زمینی ملکیت (کے معاملے) میں بڑھتا ہے۔ کوئی کھیت کتنا بھی چھوٹا ہے، اسے اپنے کام کے لیے وہ کم سے کم آلاتِ کار (ہل، آرا وغیرہ) درکار ہوتے ہیں جو اس کے لیے انتہائی ناگزیر ہیں جبکہ زمینی ملکیت کا سائز اس حدِ اقل سے کہیں زیادہ گھٹایا جا سکتا ہے۔

۲) بڑی زمینی ملکیت سرمائے پر وہ منافع نچوڑ لیتی ہے جو لگان دار کسان زمین کی اصلاح کے لیے لگاتا ہے، چھوٹی زمینی ملکیت کو اس کا اپنا سرمایہ لگانا پڑتا ہے اور اس طرح وہ اس نفع سے محروم رہتی ہے۔

۳) جبکہ ہر سماجی بہتری بڑی جاگیروں کی فائدہ دیتی ہے یہ چھوٹی ملکیت کو نقصان پہنچاتی ہے کیونکہ یہ اس کی نقد رقم کی ضرورت کی بڑھا دیتی ہے۔

۴) اس مقابلہ بازی سے متعلق دو اہم قوانین کا جائزہ لینا باقی ہے۔

a) اس مزروعہ زمین کا لگان جس کی پیداوار انسانی خوراک ہے دوسری مزروعہ زمین کے بڑے حصے کے لگان کا تعین regulate کرتی ہے۔ (Ibid، ص ۱۴۴)

آجلاً ultimately، صرف بڑی جاگیر ہی اس طرح کو خوراک، جیسے مویشی وغیرہ۔ پیدا کر سکتی ہے

۔اس لیے یہ دوسری زمین کے لگان کا تعین کرتی ہے اور اسے حدِ اقل تک گھٹنے پر مجبور کرتی ہے۔

اس طرح چھوٹے زمین دار، جو اپنے بل بوتے پر کام کرتا ہے کی بڑے زمین دار کے ساتھ وہی نسبت ہوتی ہے جو ایک کاریگر، جو اپنے اوزار کا مالک ہوتا ہے، کی کارخانہ دار کے ساتھ ہوتی ہے۔ چھوٹی زمینی ملکیت محض محنت کا ایک آلہ بن کر رہ گئی ہے۔ چھوٹا زمین دار لگان سے بالکل محروم رہتا ہے، اس کے لیے اس کے سرمائے اور اس کی اجرتوں پر نفع ہی بچتا ہے۔ کیونکہ مقابلہ بازی سے زمین کا لگان کم ہوتا ہے اور بالآخر یہ اس سرمائے پر نفع سے زیادہ کچھ نہیں رہتا جسے ملکیت دار لگاتا ہے۔

b) علاوہ ازیں، ہم یہ جان چکے ہیں کہ مساوی زرخیزی اور زمینوں، کانوں اور ماہی گیری گاہوں کے مساوی مؤثر استحصال سے پیداوار سرمائے کے سائز کے متناسب ہو جاتی ہے۔ اس طرح بڑا سرمایہ دار ہی ظفر مند رہتا ہے۔ اسی طرح جہاں مساوی سرمائے لگائے جاتے ہیں وہاں پیداوار زرخیزی کے ساتھ متناسب ہوتی ہے۔ اس لیے جہاں سرمائے زیادہ ہوں فتح زیادہ زرخیز زمین کے مالک کے نام رہتی ہے۔

c) کسی بھی نوع کی کان کو زرخیز یا بنجر کہا جا سکتا ہے۔ اس کا پیمانہ یہ ہے کہ محنت کی ایک خاص مقدار (کان) جو مقدارِ معدن نکالتی ہے وہ اس مقدارِ معدن سے کتنی کم یا زیادہ ہے جو یہی مقدارِ محنت اس نوع کی دیگر کانوں کے بڑے۔۔۔ سے نکالتی ہے۔ (Ibid، ص۱۵۱)

''کوئلے کی زرخیز ترین کان بھی پانے گردونواح میں دیگر کانوں کے لیے کوئلے کی قیمت کا تعین کرتی ہے۔ ملکیت دار اور کام کے منتظم دونوں یہ پاتے ہیں کہ پانے تمام پڑوسیوں سے قدرے کم قیمت پر (مال) فروخت کرنے سے اول الذکر زیادہ لگان حاصل کر سکتا ہے جبکہ مؤخر الذکر زیادہ نفع کما سکتا ہے۔ جلد ہی ان کے پڑوسی اس (کم) قیمت پر فروخت کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں، اگرچہ وہ اس کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ (قیمت) گرتی رہتی ہے اور بعض اوقات انہیں ان کے لگان اور منافع سے بھی محروم کر دیتی ہے۔ کچھ کام تو بالکل ٹھپ ہو جاتے ہیں؛ کچھ لگان کے متحمل نہیں ہو پاتے اور اور انہیں صرف ملکیت دار ہی کر سکتا ہے۔'' (Ibid، ص۱۵۲۔۵۳) ''پیرو کی کانوں کی دریافت کے بعد یورپ کی چاندی کی کانوں کا بڑا حصہ ترک کر دیا گا۔۔۔ یہی حال کیوبا اور سینٹ دومنگو کی کانوں اور حتیٰ کہ پوتوسی کی (کانوں) کی دریافت کے بعد پیرو کی قدیمی کانوں کا ہوا۔ (Ibid، ص۱۵۴) یہاں سمتھ کانوں کے بارے میں جو کہتا ہے وہ کم وبیش زمینی ملکیت پر بھی صادق آتا ہے۔

d) یہ مشاہدہ کیا گیا ہے کہ زمین کی منڈی کی معمول کی قیمت کا انحصار ہر جگہ سود کی منڈی کی معمول کی وعیت پر ہوتا ہے۔۔۔۔اگر زمین لگان، زیادہ فرق سے، روپے کے سود سے کم رہ جائے تو کوئی بھی ایسی زمین نہیں خریدے گا جو جلد ہی اپنی معمول کی قیمت کو گھٹا دے۔اس کے برخلاف، اگر (اس کے) فائدے اس کے فرق کی تلافی کرنے سے کہیں زیادہ ہوں تو ہر کوئی وہ زمین خریدنا چاہے گا جو جلد ہی اپنی معمول کی قیمت بڑھا دے۔'' (Ibid، ص ۳۲۰)

زمین کے لگان کے روپے کے سود کے ساتھ اس تعلق سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا کہ لگان زیادہ سے زیادہ گرتا جانا چاہیے تاکہ بالآخر صرف دولت مند ترین ہی لگان پر گزر اوقات کے اہل رہ جائیں۔اس طرح ان زمین داروں کے مابین مقابلہ بازی بڑھتی جاتی ہے جو اپنی زمین لگان دار کسانوں کی پٹے پر نہیں دیتے۔ان میں سے کچھ کی بربادی زمینی ملکیت کے مزید اجماع کا باعث بنتی ہے۔

اس مقابلہ بازی کا مزید یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ زمینی ملکیت کا ایک بڑا حصہ سرمایہ داروں کے ہاتھ لگ جاتا ہے اور اس طرح یہ سرمایہ دار بیک وقت زمین دار بھی بن جاتے ہیں بالکل ایسے ہی جیسے چھوٹے سرمایہ دار مجموعی سے پہلے سے ہی سرمایہ داروں سے زیادہ کچھ نہیں ہوتے۔اسی طرح بڑے ملکیت داروں کی ایک جماعت بیک وقت صنعت کار بن جاتی ہے،

اس کا حتمی نتیجہ سرمایہ دار اور زمین دار کے مابین تضاد کا انسلاخ ہے تاکہ آبادی کے کل ملا کر دو طبقات ہی رہ جائیں-محنت کش طبقہ اور سرمایہ داروں کا طبقہ۔زمینی ملکیت کے ساتھ یہ خردہ فروشی، زمینی ملکیت کا شے میں انتقال، قدیم نظام کا حتمی سقوط اور روپے کے حکمرانی کا حتمی اتمام تشکیل دیتا ہے۔

ا) ہم رومانیت پسند کی اس پر جذباتی اشک فشانی میں شرکت نہیں کریں گے۔رومانیت پسندی ہمیشہ زمینی کی خردہ فروشی کو نجی ملکیت کے زمین میں خردہ فروسی کے مکمل طور پر معقول حاصل (جو نجی ملکیت کی قلم رو میں ناگزیر اور مرغوب ہے) سے گڈمڈ کر دیتی ہے۔اول تو یہ کہ جاگیردارانہ زمین ملکیت اپنی نوعیت کے اعتبار سے ہی۔۔۔زمین ہے۔یعنی وہ زمین جو انسان سے مغیر کردہ ہے اور اس طرح اس سے معدروے چند بڑے نوابوں کی صورت میں دوچار ہوتی ہے۔زمین کی انسانوں پر ایک اجنبی قوت کی صورت میں حکمرانی جاگیری زمینی ملکیت میں پہلے سے ہی لاینفک ہے۔مزارع زمین سے ملحق ہے۔اسی طرح بندشی (entailed) جاگیر کا جاگیردار (جو نخست زادہ First born ہوتا ہے) زمین کی ملکیت ہوتا

ہے۔ یہ اس کی وارث ہے۔ درحقیقت نجی ملکیت کی حکمرانی زمین کی ملکیت (جو کہ اس کی بنیاد ہے) کے ساتھ شروع ہوتی ہے۔ لیکن جاگیردارانہ زمینی ملکیت میں جاگیردار کم از کم جاگیر کے راجہ کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ اس لیے ابھی بھی ملکیت دار اور زمین کے مابین، محض ایک مادی دولت، سے زیادہ گہرے تعلق کی مشابہت پائی جاتی ہے۔ جاگیر اپنے جاگیردار کے توسل سے ایک فرد کے اوصاف حاصل کر لیتی ہے۔ یہ اس کا عہدہ اپنا لیتی ہے اور اس کے ساتھ بیرونیل (Baromnial) یا دیوکل (ducal) بن جاتی ہے۔ اسے اس کا قانونی اختیار اور اس کا سماجی مقام وغیرہ مل جاتا ہے۔ یہ اپنے جاگیردار کے غیر جاندار جسم کے بطور ظاہر ہوی ہے۔ اس لیے مثل مشہور ہے ''بے مالک کوئی مِلک نہیں ہوتی۔'' یہ (مثل) نوابی اور زمینی ملکیت کے امتزاج کا اظہار ہے۔ زمینی ملکیت کی حکمرانی براہِ راست نرے سرمائے کی حکمرانی کے بطور ظاہر ہوتی ہے۔ اس کے باسیوں کے لیے زمین ایک وطن کی طرح ہوتی ہے یہ ایک طرح کی constricted قومیت ہے.

اسی انداز سے جاگیردارانہ زمینی ملکیت اپنے جاگیردار کو اپنا نام دیتی ہے جیسے شلطنت اپنے سلطان کو (نام) دیتی ہے۔ اس کے خاندان تاریخ، اس کے گھر کی تاریخ وغیرہ۔ اس کے لیے جاگیر کی تفرید کرتی ہے اور اسے حقیقی معنوں میں اس کا گھر بناتی ہے، اس (جاگیر کو) انسانی خاصہ بخشتی ہے۔ اسی طرح جاگیر پر کام کرنے والوں کی حیثیت دیہاڑی دار مزدوروں کی سی نہیں ہے بلکہ وہ جزواً اس کی ملکیت ہیں (جیسا کے مزارعین) اور جزواً اس کے ساتھ احترام، وفاداری اور فرض کے رشتے میں بندھے ہوئے ہیں۔ اس طرح اس کے ان کے ساتھ تعلق براہِ راست سیاسی نوعیت کا ہے اور ایک انسانی اور مانوس خاصہ لیے ہوئے ہے۔ رسم ورواج، عادات واطوار وغیرہ مختلف علاقوں میں مختلف ہوتے ہیں اور ایسا لگتا ہے کہ اس مٹی کے ساتھ ایک جان ہو جاتے ہیں جس سے یہ تعلق رکھتے ہیں۔ اس کے بعد، دوسری طرف، ایک آدمی اپنی زمین کے ساتھ اپنے کردار یا انفرادیت کے ذریعے نہیں بلکہ مالی ضرورت کے ذریعے جڑا ہوتا ہے۔ آخراً، جاگیردار اپنی زمین سے انتہائی حد تک فائدہ کشید کرنے کی کوشش نہیں کرتا۔ اس کی بجائے اسے جو مل جاتا ہے اڑا دیتا ہے اور خاموشی سے پیداوار کا بار مزارعوں یا لگان دار کسانوں کے کندھوں پر ڈال دیتا ہے۔ یہ کیفیت ہے زمینی ملکیت کے ساتھ نظام کے رشتے کی جو جاگیرداروں پر رومانوی عظمت کا سایہ کیے رکھتی ہے۔

یہ ضروری ہے کہ اس ظاہری صورت (appearance) کو تہس نہس کر دیا جائے- یہ کہ زمینی ملکیت جو نجی ملکیت کی جڑ ہے، مکمل طور پر نجی ملکیت کے دائرے میں گھسیٹ لائی جائے اور یہ ایک شے بن جائے- یہ کہ ملکیت دار کی حکمرانی (تمام تر سیاسی زنگ آمیزی سے پاک) نجی ملکیت کی اور سرمائے کی بے نقاب حکمرانی کے بطور ظاہر ہو، یہ کہ ملکیت دار اور مزدور کے مابین تعلق استحصال گر اور استحصال گزیدہ کے معیشی تعلق تک محدود ہو جائے ، یہ کہ زمین کے ساتھ عزت و توقیر کی یگانگت کی جگہ آسائش و آرام کی یگانگت لے لے، اور یہ کہ اسی طرح زمین کی قدر، انسانون کی طرح، اپنے مقام سے گر کر کاروباری رہ جانی چاہیے۔ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ جو نجی ملکیت کی جڑ ہے- یعنی غلیظ ذاتی مفاد- بھی اپنی بے مہر صورت میں اپنی نمود کرے۔ یہ بھی ضروری ہے کہ بے حرکت اجارہ دار متحرک اور مضطرب اجارہ داری یعنی مقابلہ بازی میں تبدیل ہو جائے ۔ اور یہ کہ دوسرے لوگوں کے خون پسینے کی مصنوعات کی بے فکر ماج ماری ( ) ہل چل بھرے کاروبار میں بدل جائے۔ یہ بھی ضروری ہے کہ اس مقابلہ بازی میں زمینی ملکیت سرمائے کی صورت میں مزدور طبقے اور ان ملکیت داروں پر اپنے غلبے کا اظہار کر دے جو سرمائے کی حرکت کو govern کرنے والے قوانین کے ذریعے برباد ہو گئے ہیں یا بن گئے ہیں۔ اس طرح قرونِ وسطیٰ کی یہ مثل کہ ''بے ملک کوئی ملک نہیں ہوتا'' کی جگہ یہ مثل کے لیتی ہے ''روپے کا کوئی مالک نہیں ہوتا'' جس میں بے روح مادے کی انسانوں پر مکمل حکمرانی کا اظہار ہوتا ہے۔

۲) زمینی ملکیت کی تقسیم یا نا تقسیم کی بحث سے متعلق درج ذیل (نکات) لائق توجہ ہیں۔

زمینی ملکیت کی تقسیم پر پیانے ہر زمینی ملکیت کی اجارہ داری کی نفی کرتی ہے۔ اسے منسوخ کرتی ہے ،لیکن وہ ایسا صرف اجارہ داری کو عمومی بنا کر کرتی ہے۔ یہ اجارہ داری کے منبع یعنی ملکیت کو منسوخ نہیں کرتی۔ یہ موجود صورت پر دھاوا بولتی ہے مگر اجارہ داری کی جڑ پر حملہ نہیں کرتی۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ یہ نجی ملکیت کی تقسیم صنعت کے میدان میں مقابلہ بازی کی حرکت سے مطابقت رکھتی ہے۔ علاوہ محنت کے اوزاروں کی ایسی تقسیم اور تکفیک کردہ محنت (جو محنت تقسیم سے واضح طور پر مختلف ہے، تکفیک کردہ محنت میں کام بہت سے مزدوروں میں تقسیم نہیں ہو جاتا، بلکہ ہر کوئی ایک ہی کام اپنے اپنے طور پر کرتا ہے۔ یہ ایک ہی کام کی تکثیر ہے) کی معاشی قباحتوں کے زمین کی یہ تقسیم، صنعت میں مقابلہ بازی کی طرح لازمی طور پر پھر اجماع میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

اس لیے جہاں کہیں زمینی ملکیت کی تقسیم وقوع پذیر ہوتی ہے، اس کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوتا کہ پہلے سے زیادہ مضر شکل میں اجارہ داری میں لوٹ آئے یا خود زمینی ملکیت کی تقسیم کی نفی یا تنسیخ کر دے۔ اجارہ داری کی پہلی تنسیخ ہمشہ اس کی عمومیت، اس کے وجودی کی توسیع کی صورت میں ہوتی ہے ۔اجارہ داری کی تنسیخ، جبکہ ایک دفعہ وہ اپنی انتہا درجہ وسیع اور جامع صورت میں ظہور پذیر ہو جائے، اس کی مکمل فنا ہے ۔زمین کی تشریک (assosiation) کی بڑے پیمانے کی زمینی ملکیت کا معیشی فائدہ حاصل ہوتا ہے اور وہ زمین کی تقسیم میں موجود اصلی رجحان، یعنی مساوات، کو سب سے پہلے حقیقت کا جامہ پہناتی ہے۔ اسی انداز س تشریکِ اراضی ان ایک معقول بنیاد ہر (جو serfdom اور ملکیت کی نامعقول سے مربوط کردہ نہیں ہے) انسان کے زمین کے ساتھ مانوس ناطوں کو بحال کرتی ہے کیونکہ (اس طرح) زمین بکاؤ نہیں رہتی اور آزادہ محنت اور آزاد بہرہ وری کے ذریعے ایک بار انسان کا سچا شخصی خاصہ بن جاتی ہے۔ زمینی ملکیت کا ایک بڑا فائدہ یہ کے کہ اس کا کم حیثیت ملکیت دار (جواب خود کو غلامی کے حوالے نہیں کر سکتا) ملکیت کے ذریعے صنعت کی بہ نسبت ایک مختلف انداز میں تباہ و برباد ہوتا ہے۔

جسیا کہ بڑی زمینی ملکیت کے حمایتیوں نے ہمیشہ استدلالِ باطل کر کے بڑے پیمانے کی زراعت کے معیشی فائدوں کو بڑے پیمانے کی زمینی ملکیت کے ساتھ ہم آہنگ کیا ہے اور ئی تأ ثر قائم کرتے ہیں کہ جیسے ایسا ملکیت کی تنسیخ کے نتیجے میں نہ ہو۔ یہ فائدہ ایک طرف تو انتہا درجہ ممکنہ توسیع کو پالیتا ہے اور اور دوسری طرف یہ صرف اسی صورت میں سماجی فائدہ بنتا ہے۔ اسی طرح وہ چھوٹی زمینی ملکیت کے۔۔۔کو تو نشانۂ تنقید بناتا ہے تو کیا یہ بڑی ملکیت اس () کے عیب سے پاک ہے کہ جس کی جاگیردارنہ شکل میں بھی یہ موجود رہی ہے- اس کی جدید انگریزی شکل کا تو ذکر ہی بے کار ہے جو جاگیردار کی جاگیرداری کی لگان دار کسان کی () اور () کے ساتھ یکجا کر دیتی ہے۔

جس طرح کہ بڑی زمینی ملکیت بٹوارہ کردہ زمینی کے اس پر جارہ داری کے الزام کی اسی کے خلاف استعمال کر سکتی ہے، کیونکہ بٹوارہ کردہ زمین بھی نجی ملکیت کی اجارہ داری پر مبنی ہے، اسی طرح بٹوارہ کردی زمین بھی بڑی زمینی ملکیت کے اس پر بٹوارے کے الزام کو اسی کے خلاف استعمال کر سکتی ہے کیونکہ بٹوارہ تو وہاں بھی موجود ہوتا ہے اگر چہ ایک بے لوچ اور بلوریں شکل مین ۔حقیقت یہ ہے کہ نجی ملکیت کا کلی انحصار ہی بٹوارے پر ہے۔ علاوہ ازیں جس طرح زمینی ملکیت کو تقسیم ایک بر پھر سرمایہ دارانہ دولت کی

صورت میں زمینی ملکیت کا موجب بنتی ہے۔اس طرح جاگیردارانہ زمین ملکیت کو لازمی طور ہر زمین کے بٹوارے کت طرف بڑھ جانا چاہیے یا کم از کم سرمایہ داروں کے ہتھے چڑھ جانا چاہیے۔۔۔

کیونکہ بڑی زمینی ملکیت، انگلستان کی زمینی ملکیت کی طرح، آبادی کے ایک جمِ غفیر کو صنعت میں جھونک دیتی ہے اور خود اپنے مزدوروں کو لاچار و بے بس بنا دیتی ہے۔اس طرح یہ مفلس لوگوں اور دیہات کی ایک مکمل ست گرمی کو دوسری طرف دھکیل کر آپ اپنے دشمن، سرمائے، صنعت کی قوتِ پیدائش وافزائش کا باعث بنتی ہے۔یہ دیہاتی لوگوں کی اکثریت کو صنعتی بنا کر بڑی زمینی ملکیت کا مخالف بنا دیتی ہے۔جہاں صنعت بے پناہ قوت حاصل کر چکی ہو (جیسا کہ اس نے دورِ حاضر کے انگلستان میں حاصل کر لی ہے) وہاں یہ بڑی زمینی ملکیت کو بتدریج مجبور کرتی ہے کہ وہ بیرونی ممالک کے خلاف اس کی اجارہ داریوں سے دست کش ہو جائے اور ان (اجارہ داریوں) کو غیر غیر ملکی زمینی ملکیت کے ساتھ مقابلے میں جھونک دیتی ہے۔کیونکہ صنعت کی حکمرانی کے تحت زمینی ملکیت صرف بیرونی ممالک کے خلاف اجارہ داریوں کے ذریعے ہی اپنی جاگیردارانہ سطوت کو بچائے رکھ سکتی ہے اور اس طرح خود کو تجارت کے عمومی قوانین کو سے محفوظ رکھ سکتی ہے جو اس کے جاگیردارانہ خاصے سے عدم موافقت رکھتے ہیں۔ایک بار یہ مقابلے میں دھکیل دے جائے تو زمینی ملکیت کو مقابلہ کی کی مطیع ہر شے کی طرح مقابلے کے قوانین کی اطاعت کرنا ہوتی ہے۔اس طرح اس میں اتار چڑھاؤ آنے لگتا ہے، (اس کی قدر) میں کمی بیشی ہونے لگتی ہے اور یہ ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں سرکنے لگتی ہے اور پھر کوئی قانون اسے چند مقدر کردہ ہاتھوں میں ٹکائے نہیں رکھ سکتا۔اس کا فوری نتیجہ زمین میں کئی ہاتھوں میں تقسیم اور کسی بھی معاملے میں صنعتی سرمایوں کی قوت کی اطاعت ہے۔

آخراً، وہ زمینی ملکیت جسے اس انداز سے جبراً محفوظ رکھا گیا ہے اور جس نے اپنے پہلو میں ایک دیو ہیکل صنعت کو کھڑا کر لیا ہو، زمین کی تقسیم کاری (جس کے پہلو میں صنعت کی قوت مسلسل دوسرے درجے کی رہتی ہے) سے بھی زیادہ سرعت سے بربادی کی طرف جاتی ہے۔

بڑی زمینی ملکیت نے (جیسا کہ ہم انگلستان میں دیکھتے ہیں) پہلے ہی اپنا جاگیردارانہ جوا تار دیا ہے اور اس نے زیادہ سے زیادہ پیسہ بنانے کی فکر میں ایک صنعتی لبادہ اوڑھ لیا ہے۔ملکیت دار کو یہ زیادہ سے زیادہ لگان دیتی ہے، لگان دار مزدور کو یہ اس کے سرمائے پر زیادہ سے زیادہ منافع دیتی ہے۔اس کے نتیجے

میں زمین پر کام کرنے والے مزدوروں کی تعداد انتہائی کم ہوگئی ہے اور لگان دار کسانوں کا طبقہ زمینی ملکیت میں صنعت اور سرمائے کا نمائندہ بن گیا ہے۔ غیر ملکی مقابلے کے نتیجے میں زیادہ تر معاملات میں زمین کا لگان ایک آزاد آدنی نہیں رہتا۔ ملکیت داروں کی ایک بڑی تعداد کسان بن جاتی ہے اور ان میں سے کچھ کو تو پرولتاریہ بھی بننا پڑتا ہے۔ دوسری جانب بہت سے کسان زمینی ملکیت کا انتظام سنبھال لیں گے کیونکہ بڑے زمین دار جنہوں نے سہل حاصل آمدنیوں کے ساتھ خود کو بے جا اسراف کی لت ڈال لی ہے، زیادہ تر ااس قابل نہیں ہوتے کہ بڑے پیمانے کی زراعت کا انتظام سنبھال سکیں اور بعض معاملات میں تو ان کے پاس زمینی سے بہرہ بردار ہونے کے لیے نہ تو سرمایہ ہوتا ہے اور نہ ہی قابلیت۔ اس طرح اس طبقے کا بھی ایک حصہ مکمل طور پر تباہ ہو جاتا ہے۔ نتیجتاً، اجرتوں کو (جو پہلے ہی اپنی انتہائی کم سطح پر پہنچ چکی ہیں) نئی سرمایہ داری کا سامنا کرنے کے لیے مزید کم کرنا پڑتا ہے۔ اور اس طرح یہ صورتِ حال لازمی طور پر انقلاب کا پیش خیمہ بنتی ہے۔

زمینی ملکیت کو ان دونوں صورتوں میں سے ہر دو میں نمود پذیر ہونا پڑتا ہے تاکہ وہ ان دونوں میں اپنے کسوف (eclipse) کا تجربہ کر سکے۔ یہ بالکل ایسے ہی جیسے صنعت کو انسان پر یقین کرنے کا سبق سیکھنے کے لیے اجارہ داری اور مقابلہ بازی ہر دو صورتوں میں خود کو تباہ برباد کرنا پڑا۔

مغائر کردہ محنت

ہم نے سیاسی معیشت کے مقدمات سے شروعات کی۔ ہم اس کی زبان اور اس کے اصولوں کو مان کر چلے۔ ہم نے ذاتی ملکیت، محنت، سرمائے اور زمین کی اور اجرتوں، سرمائے کے منافع اور زمین کے لگان کی تکفیک اور اسی طرح تقسیمِ کار، مقابلے اور قدرِ مبادلہ کے تصور کو پیش قیاس لیا ہے۔ سیاسی معیشت نجی ملکیت کے فیکٹ سے شروعات کرتی ہے۔ لیکن یہ ہمارے سامنے اس کی وضاحت نہیں کرتی۔ یہ عمومی لحاظ سے ان مجرد فارمولوں سے اس مادی عمل کی وضاحت کرتی ہے جن سے نجی ملکیت حقیقتاً گزرتی ہے اور پھر وہ ان فارمولوں کو اصولوں کا درجہ دے دیتی ہے۔ یہ ان اصولوں کا فہم نہیں رکھتی ہے۔ یعنی یہ ان کا اظہار نہیں کرتی کہ کیسے یہ (اصول) نجی ملکیت کی اپنی فطرت سے جنم لیتے ہیں۔ سیاسی معیشت محنت اور سرمائے کے درمیان اور سرمائے اور زمین کے درمیان تقسیم کے مخرج کا انکشاف نہیں کرتی۔ جب مثال کے طور پر یہ اجرتوں کے ساتھ منافع کے تعلق کی تشریح کرتی ہے تو یہ سرمایہ داروں کی منافع کی غایتِ اولیٰ

تصور کرتی ہے۔یعنی یہ اسے پہلے ہی فرض کر لیتی ہے جس کا ارتقاء پذیر ہونا قیاس کیا جاتا ہے۔اس کی وضاحت خارجی حالات سے کی جاتی ہے۔ یہ خارجی اور صریحاً اتفاقی حالات کس حد تک ارتقاء کے ایک لازمی بہاؤ کا اظہار ہیں سیاسی معیشت اس کے بارے میں ہمیں کچھ نہیں سکھاتی۔ہم دیکھ چکے ہیں کہ کیسے ،اس کی نظروں میں ،خود مبادلہ ایک اتفاقی حقیقت بن جاتا ہے۔وہ چرخے جنہیں سیاسی معیشت گردش میں لاتی ہے طمع اور طمع کاروں کے مابین جنگ- مقابلہ- ہیں۔

چونکہ سیاسی معیشت اس حرکت کی اندرونی کڑیوں کا فہم نہیں رکھتی اس لیے یہ ممکن تھا کہ مثلاً مقابلے کے نظریے کو اجارہ داری کے نظریے، ہنرمندی کے آزاد نظریے کو کارپوریشن کے نظریے اور زمینی ملکیت کی تقسیم کے نظریے کو جاگیر کے نظریے کے ہم پلہ کر دیا جائے، کیونکہ مقابلہ، ہنرمندی کی آزادی اور زمینی ملکیت کی تقسیم کی توضیح تفہیم اجارہ داری ، کارپوریشن اور جاگیر دارانہ ملکیت کے اتفاقی ، premeditated اور violent نتائج کے بطور، نہ کہ ان کے لازمی، ناگزیر اور فطری نتائج کے بطور کی جاتی ہے۔

تاہم اب ہمیں نجی ملکیت، طمع اور محنت کی تفکیک کے درمیان، سرمائے اور زمینی ملکیت کے درمیان تعلق کی سمجھنا ہوگا۔ہمیں مبادلے اور مقابلے، قدر اور انسانوں کے ناقدری، اجارہ داری اور مقابلے وغیرہ کے درمیان تعلق کی سمجھنا ہوگا۔اس تمام تر مغائرت اور روپے کے نظام کے درمیان تعلق کی سمجھنا ہوگا۔

ہم کسی خیالی قدیمی دور کی طرف لوٹنا نہیں چاہیں گے جیسا کہ سیاسی معیشت دان کرتا ہے جب وہ وضاحت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ایسا قدیمی دور کوئی وضاحت نہیں کرتا۔ایسا کر کے وہ مسئلے کو محض دھندلی، غبار آلود، سدیمی دوری میں دھکیل دیتا ہے۔وہ اسے ایک حقیقت کی، ایک واقعے کی صورت میں تسلیم کر لیتا ہے جس کا اس سے استنتاج مقصود ہوتا ہے: جیسے دو چیزوں کے درمیان یا مثال کے طور پر محنت کی تقسیم اور مبادلہ کے درمیان تعلق، الٰہیات اسی طرح بدی کی ابتداء کی وضاحت سقوطِ آدم سے کرتی ہے۔ مطلب یہ کہ یہ اسے تاریخی صورت میں بطور ایک حقیقت تسلیم کر لیتی ہے جسے تشریح امرِ لازم ہے۔

ہم ایک حقیقی معیشی فیکٹ سے شروعات کرتے ہیں۔

مزدور اتنا ہی زیادہ غریب ہوتا جاتا ہے جتنی زیادہ وہ دولت پیدا کرتا ہے اور جتنا زیادہ اس کی پیداوار کی قوت اور وسعت میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔مزدور جتنی زیادہ اشیاء پیدا کرتا ہے وہ اتنا ہی زیادہ

ارزاں شے بنتا جاتا ہے۔ عالمِ اشیاء کی قدر میں اضافے کے ساتھ ساتھ عالمِ انسان کی ناقدری راست تناسب کے ساتھ بڑھتی جاتی ہے۔ محنت صرف اشیاء ہی پیدا نہیں کرتی: یہ خود اور مزدور کو بطور شے پیدا کرتی ہے اور وہ ایسا اسی تناسب میں کرتی ہے جس میں وہ عموماً اشیاء پیدا کرتی ہے۔

یہ حقیقت صرف اسی کا اظہار کرتی ہے کہ وہ شے جو محنت پیدا کرتی ہے-محنت کی پیداوار- اس ایک اجنبی ہستی کے بطور اور پیداوار کرنے والے سے ایک آزاد قوت کے بطور دوچار ہوتی ہے۔ محنت کی پیداوار محنت ہی ہے جو ایک شے میں مجتمع کر دی جاتی ہے، جو مٹیریل بن جاتی گئی ہے: یہ محنت کی objectification ہے۔ محنت کا تحقق اس کا object ہے۔ سیاسی معیشت کے ذریعے dealt with کیے جانے والے حالات میں مزدوروں کے لیے محنت کا یہ تحقق حقیقت (reality) کے زیاں کے بطور objectification شے اور شے سے بندش کے زیاں کے بطور اور اختصاص مغائرت کے بطور، بُعد کے بطور ظاہر ہوتا ہے۔

محنت کا تحقق حقیقت کے زیاں کے بطور اسی قدر ظاہر ہوتا ہے کہ مزدور فاقوں مرنے کی نوبت تک حقیقت کو کھو بیٹھتا ہے۔ objectification اس قدر زیادہ سے کے زیاں کے بطور ظاہر ہوتی ہے کہ مزدور ان اشیاء سے بھی محروم ہو جاتا ہے جو نہ صرف اس کی زندگی بلکہ اس کے کام کے لیے بھی ضروری ہیں۔ درحقیقت محنت بذاتِ خود ایک شے بن جاتی ہے جسے وہ انتہا درجہ کوشش کے ساتھ اور انتہائی بے فائدہ تعطلات کے ساتھ ہی گرفت میں رکھ سکتا ہے۔ شے کے اختصاص اس قدر زیادہ مغائرت کے بطور ظاہر ہوتا ہے کہ مزدور جتنی زیادہ اشیاء پیدا کرتا ہے اتنی ہے کم (اشیاء) کا وہ مالک بن پاتا ہے اور اتنا ہی زیادہ وہ اپنی پیداوار (سرمائے) کا مطیع بنتا جاتا ہے۔

یہ تمام نتائج اس تعریف میں شامل ہیں کہ مزدور اپنی محنت کی پیداوار کے ساتھ ایک اجنبی (alien) شے کے بطور وابستہ ہے۔ کیونکہ اس مقدمے (premise) پر یہ واضح ہے کہ مزدور اپنے آپ کو جتنا صرف کرتا جاتا ہے اتنی ہی زیادہ اجنبی خارجی دنیا طاقتور بنتی جاتی ہے جسے وہ آپ نے خلاف تخلیق کرتا ہے۔ جتنا زیادہ وہ خود-اس دوروں-غریب ہوتا جاتا ہے اس قبضے میں اس کا اپنا اتنا ہی کم ہوتا جاتا ہے۔ یہی صورت مذہب کی ہے۔ وہ خدا کو جتنے زیادہ (اختیارات) کا ملک مانتا جاتا ہے اتنا ہی وہ (ان اختیارات کو) اپنے آپ میں کم کرتا جاتا ہے۔ مزدور اپنی روح شے میں پھونک دیتا ہے، لیکن اب

اس کی زندگی اس کی نہیں رہی بلکہ شے کی (زندگی) بن گئی ہے۔اس طرح یہ عمل جتنا زیادہ ہوتا جاتا ہے مزدوروں کے قبضے میں اشیاء اتنی ہی زیادہ کم ہوتی جاتی ہے۔اس کی محنت کی جو بھی پیداوار ہے، وہ (مزدور) نہیں ہے۔اس کے لیے یہ پیداوار جتنی زیادہ ہوتی جائے، اس کی ہستی اتنی ہی مٹتی جاتی ہے۔مزدور کی اپنی پیداوار میں بُعد کا مطلب نہ صرف یہ ہے کہ اس کی محنت اس سے ایک خارجہ ہستی بن جاتی ہے بلکہ یہ کہ وہ اس سے باہر، آزادانہ اور اس ایک اجنبی شے کے بطور وجود رکھتی ہے اور یہ کہ وہ اس کے مدِ مقابل ایک خود مختصر قوت بن جاتی ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ جو روح وہ شے میں پھونکتا ہے وہ ایک حریف اور اجنبی چیز کی صورت میں اس کے مدِ مقابل ہو جاتی ہے۔

آیئے اب ہم ذرا قریب سے objetified یعنی مزدور کی پیداوار کا مشاہدہ کرتے ہیں اور اس میں مغائرت، شے کے زیاں یعنی اس کے پیداوار کا مطالعہ کرتے ہیں۔

مزدور فطرت کے بغیر، حسیاتی خارجی دنیا کے بغیر کچھ بھی تخلیق نہیں کر سکتا۔یہ وہ مٹیریل ہے جس کے اس کے محنت اظہار پاتی ہے، جس میں وہ متحرک ہوتی ہے اور جس کی بدولت وہ پیداوار کرتی ہے۔

لیکن جس طرح فطرت محنت کو اس لحاظ سے وسیلۂ حیات فراہم کرتی ہے کہ محنت ان اشیاء کے بغیر قائم نہیں رہ سکتی جس پر (وہ) عمل کار ہوتی ہے تو دوسری طرف یہ مزدور کو زیادہ محدود معنوں میں وسیلۂ حیات یعنی اس کی جسمانی بقاء کا سامان مہیا کرتی ہے۔

پس مزدور اپنی محنت کے بل پر خارجی دنیا اور حسیاتی فطرت پر جتنا تصرف حاصل کرتا ہے اتنا ہی زیادہ وہ خود کو دو لحاظ سے وسائلِ حیات سے محروم کرتا ہے جاتا ہے۔اولاً اس لحاظ سے کہ خارجی حسیاتی دنیا بتدریج اس کی محنت کا ایک object ہونے یعنی اس کی محنت کا وسیلۂ حیات ہونے سے دست کش ہوتی جاتی ہے اور ثانیاً اس لحاظ سے کہ یہ بتدریج immidiate اعتبار سے وسیلہ حیات یعنی مزدور کی جسمانی بقاء کا سامان ہونے سے دست کش ہوتی جاتی ہے۔

پس ان دونوں پہلوؤں سے مزدور اپنی شے کا غلام بنتا جاتا ہے۔اولاً اس صورت میں کہ اسے محنت کا (object) ایک مہیا ہوتا ہے یعنی اس صورت میں کہ اسے کام مہیا ہوتا ہے اور ثانیاً اس صورت میں کہ اس کی (جسمانی) بقاء کا سامان مہیا ہوتا ہے۔اس طرح یہ (شے) اولاً بطور ایک مزدور اور ثانیاً بطور ایک جسمانی ہستی (subject) کے قائم رہنے کے قابل بناتی ہے۔اس بندھن کی انتہا یہ ہے کہ وہ بطور مزدور

ہی اپنے آپ کی بطور ایک جسمانی ہستی (subject) کے قائم محنت کا اس کی پیداوار سے بلا واطہ تعلق کا اس کی پیدا کردہ اشیاء کے ساتھ تعلق ہے۔ صاحبِ حیثیت شخص کا پیدا کردہ اشیاء اور بذاتِ خود پیداوار سے تعلق محض اس پہلے تعلق کا حاصل ہے- اور اس کی تصدیق ہے۔ ہم اس دوسرے پہلو کو بعد میں زیرِ بحث لائیں گے۔

پس جب ہم سوال کرتے ہیں کہ محنت کا لازمی تعلق کیا ہے تو ہم مزدور کے پیداوار سے تعلق کے متعلق پوچھ رہے ہوتے ہیں۔

اب تک ہم نے مزدور کی مغائرت، اس کے بُعد کے صرف ایک پہلو (یعنی مزدور کے اس کی محنت کی پیداوار کے ساتھ تعلق) کو زیرِ بحث لا رہے تھے لیکن مغائرت نہ صرف پیداوار کے نتیجے بلکہ اس کے عمل- یعنی بذاتِ خود پیداواری سرگرمی میں رونما ہوتی ہے۔ مزدور اپنے عمل کی پیداوار سے ایک اجنبی کے بطور کیسے روبرو ہوتا ہے کہ پیداوار کے عمل میں ہی ہوا اپنے آپ کو پنی ذات سے اجنبی بنا رہا ہوتا ہے۔ مصنوعہ پیداواری عمل کا، یعنی پیداوار کا خلاصہ ہی تو ہے۔ پھر اگر محنت کی پیداوار بُعد ہے تو پیداوار کی بذاتِ خود متحرک بُعد، پیداواری عمل کا بُعد، بعد کا عمل ہونا چاہیے۔ محنت کی مصنوعہ () کی مغائرت میں مغائرت عینی بُعد خود محنت کے عمل۔۔۔

تو پھر بُعد کی کون سی چیز شکل دیتیہے؟

اولاً تو یہ حقیقت کے محنت مزدور سے خارجی (چیز) ہے یعنی یہ اس کی ہستی کا حصہ نہیں ہے۔ اپنے کام میں ہوا اپنا اثبات نہیں کرتا بلکہ اپنی تردید کرتا ہے، پُر اطمینان نہیں بلکہ رنجور ہوتا ہے، اپنی جسمانی اور ذہنی توانائی کی آزاد نہ نشوونما بلکہ اپنے جسم کو ہلاک کر دیتا ہے اور ذہن برباد کرتا ہے۔ اس طرح مزدور اپنے کام کے باہر اپنی ذات مین ہوتا ہے اور اپنے کام میں وہ اپنی ہستی سے باہر ہوت اہے۔ وہ راحت میں ہوتا ہے جب وہ کام نہیں کر رہا ہوتا، اور جب وہ کام نہیں کر رہا ہوتا م بے راحت ہوتا ہے۔ اس طرح اس کی محنت برضا نہیں ہوتی بلکہ جبری ہوتی ہے؛ یہ جبری محنت ہے۔ اس طرح یہ ایک ضرورت کی تسکین نہیں ہے۔ یہ صرف اس ضرورت کی تسکین کا ذریعہ ہے جو اس سے خارجی ہیں۔ اس کا alien خاصہ خاصہ اس حقیقت میں آشکار ہوتا ہے کہ جیسے ہی کوئی جسمانی یا دوسری مجبوری باقی نہ رہے محنت سے ایک وباء کی طرح دامن چھڑا لیا جاتا ہے۔ خارجی محنت، یعنی وہ محنت جس میں انسان خود کو بیگانہ بناتا ہے، خود نثاری اور تن دہی کی

محنت ہے۔آخراً محنت کا خارجی خاصہ مزدور کے لیے اس حقیقت میں آشکار ہوتا ہے کہ وہ اس کی اپنی نہیں ہے بلکہ کسی دوسرے کی ہے۔ یہ کہ ہواس کی ملکیت نہیں ہے، یہ کہ وہ اس میں، اپنے آپ کی نہیں، بلکہ کسی دوسرے کی ملکیت ہے ۔جس طرح کے مذہب میں انسانی تخیل ، انسانی دماغ اور انسانی دل کی sponta سرگرمی فرد سے آزادانہ عمل کار ہوتی ہے-یعنی یہ اس پر ایک اجنبی ،الہوی یا ابلیسی سرگرمی کے بطور عمل کار ہوتی ہے-اسی طرح مزدور کی سرگرمی اس کی sponta سرگرمی نہیں ہے۔ یہ کسی اور کی ملکیت ہے،اس کی ہستی کا زیاں ہے۔تاہم اس کے نتیجے میں انسان (مزدور) صرف اپنے حیوانی افعال (کھانا، پینا، افزائشِ نسل کرنا) یا زیادہ سے زیادہ اپنے جائے سکونت یا لباس پہننے میں آزادی محسوسکرتا ہے اور اپنے انسانی افعال میں وہ خود کو ماسوا حیوان کے کچھ اور نہیں سمجھتا۔ جو کچھ انسانی ہے حیوانی بن جاتا ہے اور جو کچھ حیوانی ہے انسانی بن جاتا ہے۔

بلاشبہ کھانا، پینا، افزائشِ نسل کرنا وغیرہ انسانی افعال ہی ہیں،لیکن اس تجرید میں جو انہیں دیگر تمام انسانی سرگرمیوں سے علیحدہ کر دیتی ہے اور انہیں جداگانہ اور ultimate غائی مقاصد میں بدل دیتی ہے، یہ حیوانی (افعال) ہیں۔

ہم عملی انسانی سرگرمی یعنی محنت کے عملِ مغائرت کو اس کے دو پہلوؤں میں زیرِ بحث لا چکے ہیں۔(۱) مزدور کے ایک اجنبی شے (جو۔۔۔) کے بطور محنت کی پیداوار کے ساتھ تعلق۔ یہ تعلق بیک وقت کارجی حسیاتی دنیا کے ساتھ یعنی (جو اس کے معاندانہ طور پر مخالف ہے) کے بطور اشیائے فطرت کے ساتھ تعلق بھی ہے۔(۲) محنت کا عملِ محنت میں پیداواری عمل کے ساتھ تعلق۔ یہ تعلق مزدور کی اپنی ہی سرگرمی کے ساتھ، بطور ایک اجنبی سرگرمی کے جو اس (مزدور) سے متعلق نہیں ہے، تعلق ہے۔ یہ جھیلنے کے مترادف سرگرمی، ناتوانی کے مترادف قوت، مزدور کی اپنی جسمانی اور ذہنی قوت کو محنت بنانے کے مترادف جننا ہے۔۔۔۔

ہمیں ابھی مغائر کردہ محنت کے قبل ازیں considered دو پہلوؤں سے تیسرے (پہلو) کا استنتاج کرنا ہے۔

انسان ایک نوعی ہستی ہے، نہ صرف اس لیے کہ یہ اپنے عمل اور اپنے نظریے میں نوع کو اپنے (نہ صرف اپنے بلکہ اپنے ساتھ دوسری چیزوں) کے مقصود (object) کے بطور اختیار کرتا ہے بلکہ-اور یہ

اسے ایک دوسرے پیرائے می بیان کرنے کے مترادف ہو گا- اس لیے بھی کہ وہ خود کو ایک حقیقی (actual)، زندہ جاوید نوع سمجھتا ہے؛ کہ وہ اپنے آپ کو ایک جامع الصفات اور اس طرح ایک آزاد ہستی سمجھتا ہے۔

انسان اور حیوان دونوں میں نوع کی زندگی جسمانی لحاظ سے اس حقیقت پر مشتمل ہوتی ہے کہ انسان (حیوانکی طرح) غیر جاندار فطرت پر گزران کرتا ہے؛ اور انسان حیوان کے مقابلے میں جتنا زیادہ جامع (universal) ہوگا اتنا ہی جامع (universal) اس بے جان فطرت کا کرہ (sphere) ہوگا جس پر وہ گزران کرتا ہے۔ جس طرح نباتات، حیوانات، جمادات، ہوا، روشنی وغیرہ نظریے کے میدان میں انسانی وجود کا حصہ بنتے ہیں، یعنی جزوأفطری سائنس کے موضوعات کے بطور اور جزوأفن (جو اس کی روحانی غیر جاندار فطرت ہے، روحانی غذا ہے جسے اس نے پہلے خوش ذائقہ اور لائق ہضم بنانا ہوتا ہے) کے موضوعات کے بطور اس (شعور) کا حصہ بنتے ہین، اسی طرح عمل کے میدان میں یہ انسانی زندگی اور انسانی عمل کا حصہ بنتے ہیں۔ جسمانی لحاظ سے انسان ان اشیائے فطرت پر گزران کرتا ہے چاہے وہ خوارک، حرارت، کپڑے، مسکن یا کسی بھی دوسری صورت میں ہوں۔ انسان کی (universality) عملاً اس (universality) میں آشکار ہوتی ہے جو تمام تر فطرت کو اس کا غیر جاندار جسم بنا دیتی ہے۔ ان ہر دو صورتوں میں کہ فطرت (ا) اس کا بلا واسطہ سامانِ حیات ہے اور (اا) اس کے عملِ حیات کا مواد، مقصد اور آلہ ہے۔ فطرت انسان کا غیر جاندار جسم ہے-، یعنی وہ فطرت جو ابذاتِ خود جسدِ انسانی کا حصہ نہیں ہے۔ یہ کہ انسان فطرت پر گزران کرتا ہے کا مطلب یہ ہے کہ فطرت اس کا جسم ہے جس کے ساتھ اسے مسلسل تعلق میں رہنا چاہیے اگر وہ مرنا نہیں چاہتا۔ یہ کہ انسان کی روحانی اور جسمانی حیات فطرت سے جڑی ہوئی ہے، کیونکہ انسان فطرت کا حصہ ہی تو ہے۔

انسان کی (ا) فطرت اور (۲) اپنے آپ، اس کے اپنے متحرک افعال، اس کے عملِ حیات سے مغائر کرنے میں مغائر کردہ محنت نوع کو انسان سے مغائر کر دیتی ہے۔ یہ اس کے نوع کی حیات کا انفرادی زندگی کے ایک وسیلے میں بدل دیتی ہے۔ پہلے تو یہ نوع کی حیات اور انفرادی زندگی کو مغائر کرتی ہے اور ثانیاً یہ انفرادی زندگی کو اس کی مجرد شکل میں نوع کی زندگی مقصد بنا دیتی ہے اور وہ بھی اس (نوع کی حیات) کی مجرد اور مغائر کردہ صورت میں ۔۔۔ کیونکہ کہ اولاً تو محنت، یعنی زندگی کی سرگرمی یا بذاتِ خود

حاصل خیز زندگی انسان کے لیے محض یا ک ضرورت (یعنی جسمانی وجود کی بقاء کی ضرورت) کی تسکین کے وسیلے کے بطور ظاہر ہوتی ہے۔ تاہم پھر بھی حاصل خیز حیات نوع کی حیات ہی ہے۔ یہ حیات بخش زندگی ہے۔ نوع کا تمام تر خاصہ (یعنی اس کا نوعی خاصہ)اس کی زندگی میں شامل ہے۔ حیات بذاتِ خود صرف زندگی کے لیے ایک وسیلے کے بطور ظاہر ہوتی ہے۔

حیوان اپنیز ندگی کی سرگرمی سے غیر مربوط طور پر ہم آہنگ ہے۔ یہ خود کو اس سے ممیّز نہیں کرتا۔ یہ اس کا عملِ حیات ہے۔ انسان اپنے عملِ حیات کو اپنے ارادے اور اپنے شعور کا مقصود بنالیتا ہے۔ وہ باشعور عملِ حیات کا مالک ہے۔ یہ کوئی ایسی تعیین نہیں ہے جس کے ساتھ ہو بلا واسطہ طور پر یکجا ہو جاتا ہے۔ با شعور عملِ حیات انسان کو حیوانی عملِ حیات سے بلا واسطہ ممیّز کرتا ہے۔ ایسا صرف اس لیے ہے کہ وہ ایک نوعی ہستی ہے یا ایسا صرف اس لیے ہے کہ کیونکہ وہ ایک نوعی ہستی ہے اس لیے وہ باشعور ہستی ہے یعنی اس کی اپنی زندگی اس کے لیے ایک مقصد ہے۔ صرف اسی وجہ سے اس کی سرگرمی ایک آزاد سرگرمی ہے۔ مغائر کردہ محنت اس تعلق کو الٹا دیتی ہے جو کچھ اس طرح سے ہے کہ چونکہ انسان ایک باشعور ہستی ہے اس لیے وہ اپنے عملِ حیات یعنی اپنی essential ذات کو اپنی بقاء کا ایک وسیلہ بنا دیتا ہے۔

اپنی عملی سرگرمی سے ایک خارجی دنیا تخلیق کرنے میں یعنی غیر جاندار فطرت پر عمل کاری میں انسان خود کو ایک باشعور نوعی ہستی ثابت کرتا ہے یعنی ایک ایسی ہستی جو نوع کو خود اپنی essential ذات سمجھتی ہے یا خود کو ایک نوعی ہستی سمجھتی ہے۔ بلاشبہ حیوان بھی عمل کار ہوتے ہیں۔ وہ اپنے لیے گھونسلے اور مسکن بناتے ہیں۔ جیسے شہد کی مکھیاں، bearvers، چیونٹیاں وغیرہ۔ لیکن ایک حیوان صرف وہی کچھ بناتا ہے جس کی اسے اپنے لیے اور اپنے بچوں کے لیے فوری ضرورت ہوتی ہے۔ اس کی ساخت کا عی یک رخی ہوتی ہے جب کہ انسان کی ساخت کاری کثیر پہلو ہوتی ہے۔ یہ محض فوری جسمانی ضرورت کے دباؤ کے تحت کوئی چیز نہیں بناتا جبکہ انسان تب بھی ساخت کاری کرتا ہے جب وہ جسمانی ضرورت سے آزاد ہوتا ہے اور وہ صرف آزادی میں ہی سچی ساخت کاری کرتا ہے۔ ایک حیوان اپنی ہی تخلیق کرتا ہے جبکہ انسان تمام تر فطرت کو از سرِ نو تخلیق کرتا ہے۔ حیوان کی مصنوعہ بال واسطہ پر اس کے مدی وجود کا حصہ ہوتی ہے جبکہ انسان اپنی مصنوعہ سے آزادانہ دو چار ہوتا ہے ۔ حیوان ایسی اشیاء وضع کرتا ہے جو اس نوع stnadard اور ضرورت سے مطابقت رکھتی ہے جس سے ان کا تعلق ہے جبکہ انسان جانتا ہے کہ کیسے تم

انواع کے stnadard کے مطابق صناعی کرنی ہے اور جانتا ہے کہ کیسے ہر صورت میں inherent stnadard کو شے لاگو کرنا ہے۔اس طرح انسان اشیاء کو حسن کے اصولوں کے مطابق بھی وضع کرتا ہے ۔

خارجی دنیا پر عمل کاری کر کے ہی انسان اولاً خود کو نوعی ہستی ثابت کرتا ہے۔ بذریعہ اور بوجہ اس عمل کاری کے فطرت اس کے کام اور اس کی حقیقت کے بطور ظاہر ہوتی ہے۔اس طرح محنت کا مقصد انسان کی نوعی حیات کی objectification ہے۔کیونکہ (اس میں) وہ نہ صرف شعور میں تعلقلی طور پر بلکہ عملی طور پر یعنی حقیقت مین بھی اپنا مثنیٰ بناتا ہے اور اس طرح وہ خود کو ایسی دنیا میں خیال کرتا ہے جو اس کی تخلیق کردہ ہے۔اس طرح انسان کو اس کی عمل کاری کے مقصود سے محروم کر کے مغائر کردہ محنت اسے اس کی نوعی حیات اس کی حقیقی نوعی معروضیت سے محروم کر دیتی ہے۔اور حیوان پر اس کے شرف کو اس کیاس زیاں میں بدل دیتی ہے کہ وہ اپنے غیر جاندار جسم یعنی فطرت سے محروم کر دیا جاتا ہے۔

اس طرح spontaneous سرگرمی یعنی آزادانہ سرگرمی کی اسے ایک وسیلہ بنا کر تذلیل کے مغائر کردہ محنت انسان کی نوعی حیات کو اس کی جسمانی وجود کا وسیلہ بنا دیتی ہے۔

اس طرح وہ شعور جو انسان اپنی نوع کے متعلق رکھتا ہے مغائرت کے ہاتھوں اس انداز سے بدلتا ہے کہ نوعی حیات اس کے لیے ایک وسیلہ بن جاتی ہے۔اس طرح مغائر کردہ محنت بدل دیتی ہے:

(۳) انسان کی نوعی ہستی (فطرت اور اس کے روحانی نوعی حاصے) کو اس سے اجنبی ہستی میں، اس کے انفرادی وجود کے ایک وسیلے میں- اس انسان سے اس کے اپنے جسم کو مغائر کر دیتی ہے جیسے کہ یہ خارجی فطرت اور اس کی اپنی روحانی ذات یعنی اس کی انسانی ہستی کو (مغائر کر دیتی ہے)۔

(۴) اس حقیقت کا ایک فوری نتیجہ یہ ہے کہ انسان اپنی ہی محنت کے حاصؒ سے اپنے کارِ حیات سے، اپنی نوعی ہستی سے مغائر ہو جاتا ہے جو کہ انسان کی انسان سے مغائرت ہے۔اگر ایک انسان کی اپنی ذات اس کے مقابل ہو جائے تو (اس کا مطلب ہے کہ) اس کے مقابل ایک دوسرا انسان ہے۔جو بات انسان کے اس کے کام، اس کے محنت کے حاصل اس کے اپنی ذات کے سامنے تعلق پر لاگو ہوتی ہے وہ انسان کے دوسرے انسان اور دوسرے انسان کی محنت اور مقصودِ محنت پر بھی صادق آتی ہے۔

درحقیقت، اس مفروضے کا کہ انسان کی نوعی فطرت اس سے مغائر ہوا جاتی ہے کا یہ مطلب ہے کہ

ایک انسان دوسرے سے مغائر ہوا جاتا ہے جیسے ان میں ہر ایک انسان کی essential فطرت سے مغائرت ہو جاتا ہے۔ انسان اور دو حقیقت ہر اس تعلق کی مغائرت جو انسان کا اس کی ذات کے ساتھ ہے ،اول اول اس تعلق میں حقیقت بنتی اور اظہار پاتی ہے جو انسان کا دوسرے انسانوں کے ساتھ ہے۔

اس طرح مغائر کردہ محنت کے تعلق میں ہر انسان دوسرے انسان کو اسی معیار، رتبے اور سماجی حیثیت کے ساتھ نظر کرتا ہے جس میں وہ اپنے آپ کو بطور ایک مزدور پاتا ہے۔

ہم نے سیاسی معیشت کی ایک حقیقت (یعنی مزدور اور اس کی پیداوار کی مغائرت) سے شروعات کی۔ ہم نے اس حقیقت کا ایک تصور وضع کیا ہے- مغائر کردہ محنت۔ اس طرح سیاسی معیشت کی محض ایک حقیقت کا تجزیہ کرتے ہوئے ہم نے اس تصور کا تجزیہ کر لیا ہے۔ آیئے اب ہم مزید ملاحظہ کرتے ہیں کہ مغائر کردہ یعنی بُعد یافتہ محنت کے تصور کو حقیقی زندگی میں کیسے اپنا اظہار و انکشاف کرنا چاہیے۔

اگر میری محنت کا حاصل مجھ سے بیگانہ ہے، اگر یہ ایک اجنبی قوت کے بطور میرے مقابل ہو جاتی ہے تو پھر وہ کس کی ملکیت ہے؟

اگر میری اپنی سرگرمی مجھ سے متعلق نہیں ہے، اگر وہ ایک اجنبی، ایک جبری سرگرمی ہے تو پھر وہ کس کی ملکیت ہے؟

ایک ایسی ہستی کی جو مجھ سے ماسوا ہے۔

یہ ہستی کون ہے؟

دیوتا؟ یہ یقینی امر ہے کہ ابتدائی ادوار میں قابلِ ذکر صناع کاری (جیسے مصر، بھارت اور میکسیکو مین معبدوں کی تعمیر وغیرہ) دیوتاؤں کی خدمت گزاری میں کی جاتی تھی اور مصنوعہ (نذرانہ) دیوتاؤں کی ملکیت ہوتا تھا۔ تاہم، دیوتا کبھی بھی اپنے بل بوتے پر محنت کے آقا نہیں ہوتے تھے۔ اسی طرح فطرت کو بھی اس کا اختیار نہیں تھا۔ اور یہ کیسا عجب تضاد ہے ہوگا کہ اگر انسان اپنی محنت بل پر فطرت کو جتنا زیادہ مسخر کرتا جائے اور دیوتاؤں کے معجزات صنعت کے معجزات کی بدولت جتنے زیادہ فالتو سمجھے جانے لگیں اتنا ہی زیادہ انسان صناع کاری کے حظ اور مصنوعہ سے لطف اندوزی میں ان قوتوں کے حق میں دست بردار ہوتا جائے گا۔

وہ مغائر ہستی جس کی محنت اور محنت کا حاصل ملکیت ہے، جس کی خدمت گزاری میں محنت کی جاتی ہے

اور جس کے فائدے کے لیے محنت کی پیداوار فراہم کی جاتی ہے، خود انسان کے سوا کوئی اور نہیں ہے۔

اگر محنت کا حاصل مزدور کی ملکیت نہیں ہے، اگر یہ ایک اجنبی ہستی کے بطور اس کے مقابل ہوتا ہے تو یہ صرف اس لیے ہے کہ یہ مزدور کی بجائے کسی دوسرے انسان کی ملکیت ہے۔ اگر مزدور کی سرگرمی اس کے لیے باعثِ اذیت ہے تو کسی دوسرے کے لیے یہ باعثِ مسرت اور زندگی کا لطف ہے۔ نہ تو دیوتا، نہ ہی خدا بلکہ خود انسان ہی انسان پر اس مغائر قوت کا مالک بن سکتا ہے۔

ہمیں بالا رقم مفروضے کو ذہن نشین رکھنا چاہیے کہ انسان کا اپنے ساتھ تعلق اس کے لیے صرف دوسرے انسان کے ذریعے ہی معروضی اور حقیقی بنتا ہے۔ اس طرح، اگر اس کی محنت کا حاصل یعنی اس کی objectified محنت اس کے لیے ایک اجنبی، معاندانہ اور اس سے آزادانہ ایک طاقتور شے ہے تو اس کے قابل اس کی حیثیت ایسی ہے کہ کوئی دوسرا اس شے کا مالک ہے، کوئی ایسا جو اس سے مغائر ہے، معاندانہ، طاقتور اور آزاد ہے۔ اس کی اپنی سرگرمی اس کے لیے ایک غیر آزاد سرگرمی ہے تو پھر ہو ایک ایسی سرگرمی کے بطور خیال کرتا ہے جو ایک دوسرے انسان کی خدمت گزاری، ماتحتی، جبر و استبداد اور غلامی میں انجام دی جاتی ہے۔ انسان کو اپنے آپ اور فطرت سے مغائرت ایک ایسے تعلق میں ظاہر ہوتی ہے جس میں وہ اپنے آپ کو اور فطرت کو ایسے انسانوں کے مقبل رکھتا ہے جو اس سے ماسوا اور منفصل کردہ (differenciated) ہیں۔ اس وجہ سے مذہبی مغائرتِ ذات لازمی طور پر عام آدمی اور پادری کے یا پھر ایک وسیلے وغیرہ کے تعلق میں ظاہر ہوتی ہے۔ اگرچہ یہاں ہمارا واسطہ تعقلی دنیا سے ہے۔ حقیقی عملی دنیا میں مغائرتِ ذات صرف دوسرے انسانوں سے حقیقی عملی تعلق کے ذریعے اظہار پا سکتی ہے۔ وہ medium جس کے ذریعے مغائرت اظہار پذیر ہوتی ہے، بذاتِ خود عملی ہے۔ اس طرح مغائر کردہ محنت سے انسان نہ صرف شے اور عمل پیداوار سے اپنا تعلق ایسے بناتا ہے جیسے کہ وہ اسی قوتیں ہیں جو اس سے مغائر اور معاندانہ ہوں بلکہ وہ تعلق بھی بناتا ہے جس میں دوسرے انسان اس کی پیداوار اور اس کے مصنوعہ کے مقابل ہوتے ہیں، اور وہ تعلق بھی بناتا ہے جس میں وہ ان دوسرے انسانون کے مقابل ہوتا ہے۔ جس طرح وہ خود اپنی پیداوار کو اپنی حقیقت کے زیاں کے بطور، اپنی سزا کے بطور پیدا کرتا ہے: جس طرح کے وہ خود اپنی مصنوعہ کی ایک زیاں کے بطور، ایک ایسی مصنوعہ کے بطور پیدا کرتا ہے جو اس کی ملکیت نہیں ہے؛ اس طرح وہ پیدواری عمل اور مصنوعہ پر ایسے کا اختیار بھی پیدا کرتا ہے جو پیداوار نہیں

کرتا۔ جس طرح وہ اپنے آپ سے خود اپنی سرگرمی مغائر کر لیتا ہے وہ اجنبی کو وہ سرگرمی بھی عطا کر دیتا ہے جو اس کی اپنی نہیں ہے۔

اب تک ہم اس تعلق کو مزدور کے نقطۂ نظر سے زیرِ بحث لائے ہیں اور بعد میں ہم غیر مزدور کے نقطۂ نظر سے زیرِ بحث لائیں گے۔

تو پھر مغائر کردہ، بُعد یافتہ محنت کے ذریعے مزدور اس محنت سے ایک ایسے انسان کا تعلق قائم کرتا ہے جو محنت سے بیگانہ اور اس (عملِ محنت) کے باہر کھڑا ہے۔ مزدور کا محنت کے ساتھ تعلق اس (محنت) کے ساتھ سرمایہ دار یا محنت کے مالک کو جو بھی نام دے لیں، کا تعلق پیدا کرتا ہے۔ اس طرح نجی ملکیت بُعد یافتہ محنت کا اور مزدور کے محنت اور اپنی ذات سے خارجی تعلق کا ثمر، نتیجہ اور لازمی حاصل ہے۔

اس طرح اس تجزیے سے نجی ملکیت مغائر کردہ محنت کے تصور سے، یعنی بُعد یافتہ انسان سے، مغائر کردہ محنت سے، مغائر کردہ زندگی اور مغائر کردہ انسان سے برآمد ہوتی ہے۔

سچ ہے کہ ہم نے نجی ملکیت کی حرکت (movement) کے نچے کے طور پر ہی سیاسی معیشت سے بُعد یافتہ محنت (یعنی بُعد یافتہ زندگی) کا تصور حاصل کیا ہے۔ لیکن اس تصور کے تجزیے سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ اگر نجی ملکیت بُعد یافتہ محنت کے ذریعے اور سبب کے طور پر ظاہر ہوتی ہے، درحقیقت یہ اس کا حاصل ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے ابتدائی دور کے دیوتا انسان کے تعقلی الجھاؤ کا سبب نہیں بلکہ نتیجہ ہیں۔ بعد ازاں یہ تعلق دوطرفہ بن جاتا ہے۔

صرف نجی ملکیت صرف نجی ملکیت کے ارتقاء کی اوج پر ہی یہ، یعنی اس کا راز دوبارہ، ظاہر ہوتا ہے کہ ایک طرف تو یہ بُعد یافتہ محنت کا ثمر ہے اور یہ کہ ثانیاً وہ وسیلہ ہے جس کے ذریعے محنت خود کو مغائر کرتی ہے یعنی یہ اس بُعد کی حقیقت ہے۔

یہ انکشاف بالواسطہ طور پر اب تک متعدد ناحل شدہ تضادتت پر روشنی ڈالتا ہے۔

(۱) سیاسی معیشت کی شروعات محنت سے ہوتی ہے جو اس پیداواری عمل کی حقیقی جان ہے؛ پھر بھی یہ محنت کو کچھ نہیں دیتی جبکہ نجی ملکیت کو سبھی کچھ بخشتی ہے۔ اس تضاد کے موجب پرودھن نے محنت کے حق میں اور نجی ملکیت کے خلاف فیصلہ دیا ہے۔ تاہم ہم یہ سمجھتے ہیں کہ یہ صریح تضاد مغائر کردہ محنت کا اپنے آپ سے تضاد ہے اور سیاسی معیشت نے محض مغائر کردہ محنت کے اصول وضع کیے ہیں۔

اسی طرح ہم یہ بھی سمجھتے ہیں کہ اجرتیں اور نجی ملکیت ہم آہنگ ہیں: جہاں مصنوعہ یعنی محنت کا مقصود (object) خود اپنے لیے معاوضہ دیتی ہے، تو یہ اجرت محنت کی مغائرت کا لازمی نتیجہ ہی تو ہوتی ہے۔ کیونکہ آخرِ کار محنت کی اجرت میں محنت اپنے آپ میں ایک مقصد کے بطور نہیں بلکہ اجرت کے خادم کے بطور ظاہر ہوتی ہے۔ ہم اس نکتے کو بھی آشکار کریں گے اور فی الحال صرف چند نتائج کا استنتاج ہی کریں گے۔

اس طرح اجرتوں کو بزور بڑھانا بھی (قطع نظر تمام دیگر مشکلات کے، جن میں یہ حقیقت بھی شامل ہے کہ پہلے سے زیادہ اجرتوں کو، بے ضابطہ ہونے کے سبب، بھی کس بل کے ذریعے برقرار رکھا جا سکتا ہے) غلام کو بہتر معاوضہ دینے کے مترادف ہوتا اور مزدور یا محنت کے لیے ان کا انسانی وقار اور عظمت حاصل کرنے میں ناکام رہنا۔ حقیقت یہ ہے کہ پرودھوں کی مطالبہ کردہ اجرتوں کی مساوات بھی محض موجودہ دور کے مزدور کے محنت کے ساتھ تعلق کو تمام انسانوں کے محنت کے ساتھ تعلق میں تبدیل کر دیتی ہے۔ اس صورت میں معاشرے کو ایک مجرد سرمایہ دار تصور کیا جاتا ہے۔

اجرتیں مغائر کردہ محنت کا براہِ راست نتیجہ ہیں اور مغائر کردہ محنت کا براہِ راست نتیجہ ہے۔ اس طرح ایک پہلو کے تنزل سے مراد دوسری صورت کا بھی تنزل ہے۔

(۲) مغائر کردہ محنت کے نجی ملکیت کے ساتھ تعلق سے مزید یہ (نتیجہ) برآمد ہوتا ہے کہ معاشرے نجی ملکیت وغیرہ اور غلامی سے آزادی کا اظہار سیاسی شکل میں مزدور کی آزادی میں ہوتا ہے؛ نہ اس لیے کہ صرف ان کی آزادی خطرے میں ہے بلکہ اس لیے بھی کہ مزدوروں کی آزادی عالم گیر انسانی آزادی کی حامل ہے- میں اس لیے حامل ہے کیونکہ تمام تر انسانی غلامی مزدور کے پیداواری عمل کے ساتھ تعلق سے وابستہ اور غلامی کا ہر تعلق اس تعلق کی modification اور حاصل ہی تو ہے۔

اس تشکیل اجزاء کو زیرِ بحث لانے سے پہلے آیئے ہم دو مسائل کو حل کرتے ہیں۔

صرف (کسان) کے وسیلے سے ہی زمین دار اپنا سیاسی وجود برقرار رکھتا ہے- کیونکہ اس کی زمین کا لگا صرف کسانوں کے مابین مقابلہ بازی سے ہی قائم رکھا جاتا ہے۔ اس طرح لگان دار کسان کے وجود میں زمین دار پہلے ہی اصلیت میں ایک معمولی سرمایہ دار بن چکا ہے۔۔۔۔۔ زراعت میں مصروف سرمایہ دار- یعنی کسان- کو زمین دار بن جانا چاہیے، یا اس کے برعکس۔ کسان کا صنعتی پیشہ زمین دار کا صنعتی پیشہ

ہی ہے۔ کیونکہ اول الذکر کا وجود مؤخر الذخر کے وجود پر دال ہے۔

لیکن ان کے متضاد مصدر- یعنی ان کے وراثتی سلسلے - سے آگاہ زمین دار سرمایہ دار کو اپنا گستاخ سمجھتا ہے، کل کا آزاد کردہ غلام جو اب امیر بن گیا ہے اپنے آپ کو ایک سرمایہ دار سمجھتا ہے، جو اس سے خوف زدہ ہے۔ سرمایہ دار زمین دار کو کل کا بے فکرا، استبداد گر اور انا پرست آقا سمجھتا ہے؛ وہ جانتا ہے کہ وہ بطور سرمایہ دار اس کو چرکا لگاتا ہے، اور پھر بھی یہ صنعت ہی ہے جس سے یہ زمین دار، اپنا موجودہ سماجی رتبہ، اپنے متصرفات (possessions) اور اپنی خوش گزرانیاں حاصل کرتا ہے؛ وہ اس میں آزاد صنعت اور آزاد سرمائے کا -یعنی اس سرمائے کا جو ہر فطری تعیین سے آزاد ہے- کا تضاد دیکھتا ہے۔ زمین دار اور سرمایہ دار کے مابین تضاد انتہا درجہ تلخ ہے، اور ہر پہلو دوسرے (پہلو) سے متعلق سچائی دیتا ہے۔ ہمارا صرف قابلِ انتقال اور با قابلِ () کے ایک دوسرے پر () کو پڑھ لینا ہی کافی ہوگا اگر ہم ان کی انفرادی بے وقعتی کی واضح تصویر حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ زمین دار اپنی ملکیت کے تحسبانہ حسب بسب پر، جاگیردارانہ یادگاروں، ماضی کے تذکروں اور یادوں کی رنگارنگی پر، اپنے رومانوی منصب پر، اپنے سیاسی مقان وغیرہ ہر وز دیتا ہے اور جب وہ معاشیات کی بات کرتا ہے تو وہ صرف رزاعت کو ہی حاصل خیز قرار دیتا ہے۔ اس کی ساتھ ساتھ وہ اپنے مخالف کی تصویر کشی احمق، جھگڑالو، دغاباز، طمع پرور، بھاڑے کے ٹٹو، بغاوت پسند، بے مہر اور بے روح کمینہ (استحصال پسند، دلال، نالی کا کیڑا، چاپلوسی، چرب زبان، ٹھگی باز، dried up twister) عزت، اصولوں، رنگ، ماہیت یا کسی بھی دوسری صفت سے عاری کے الفاظ میں ایک ایسے شخص کی صور میں کرتا ہے جو معاشرے سے بے گانہ ہے، جو اس کی آزادانہ تجارت کرتا ہے اور جو مقابلہ بازی اور افلاس، جرم اور تماسماجی رشتوں کی تحلیل کی پرورش ونگہداشت اور دیکھ بھال کرتا ہے

-

قابلِ انتقال ملکیت اپنی حمایت میں صنعت اور ترقی کے عجوبہ کا حوالہ دیتی ہے۔ یہ جدید دور کی پیداوار ہے اور اس کی صحیح النسل، native born بیٹی ہے۔ یہ اپنے مخالف کو سادہ لوح اور خود اپنی فطرت سے نا آشنا (اور اس میں وہ سراسر حق بجانب ہے) کہتی ہے جو مہذب سرمائے اور آزاد محنت کو وحشیانہ، غیر مہذب قوت اور غلامی سے بدلنا چاہتا ہے۔ وہ اس کی تصویر کشی ڈان کوئیزٹے کے بطور کرتی ہے جو صاف گوئی، شائستگی، اجتماعی مفاد اور استحکام کے پردے میں ترقی کی عدم استعداد، طمع بازتن پروری، خودغرضی،

طبقاتی مفاد اور بُرے عزائم چھپائے ہوتا ہے۔ وہ اسے ایک آزاد اجارہ دار قرار دیتی ہے، یہ اس کے ماضی کے تذکروں، اس کی پُر کیف رنگا رنگی، اور اس کی رومانیت پر کمینگی، درندگی، تذلیل، استبداد گری، رسوائی، بدانتظامی اور بغاوت (جس کے رونوی قلعے کارخانے ہوتے ہیں) کے تاریخی اور تعریضی شمار کے ذریعے پانی پھیر دیتی ہے۔

وہ لوگوں کو سیاسی آزادی دلانے کی، مدنی معاشرے کو جھکڑے والی زنجیرون کو ڈھیلا کرنے؛ متضاد دنیاؤں کو جوڑے؛ لوگوں کے مابین تجارت کو فروغ دینے والے دوستانہ تعلقات کو پیدا کرنے، خالص اخلاقیات اور ثقافت کی ایک قابلِ قبول سطح کو پیدکرنے، لوگوں میں ان کی ناشائستہ حاجات کی جگہ شائستہ حاجات کو اجاگر کرنے اور ان کی تسکین کا سامان مہیا کرنے کی دعویدار ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ دعویٰ کرتی ہے کہ زمین دار- یہ بےفکرا، ایذارساں، مفت خوردہ، اناج کا دلال- لوگوں کی بنیادی ضروریات کی قیمت بڑھا دیتا ہے اور اس طرح سرماہ دار کو استعدادِ پیداوار میں اضافے کے بغیر ہی اجرتوں کو بڑھانے پر مجبور کرتا ہے اور اس طرح سالانہ قومی آمدنی، سرمائے کے اجماع میں باعث رکاوٹ بنتا ہے اور بالآخر انہیں موقف کر دیتا ہے اور اس طرح لوگوں کو کام اور ملک کو دولت فراہم کرنے کا امکان ختم کر دیتا ہے، اور نتیجتاً ایک اجتماعی بحران کا سبب بنتا ہے۔ وہ طفیلیے پن سے جدید تہذیب کے ہر فائدے کا استحصال کرتا ہے، بنا اس کے لیے کچھ کیے اور بنا اپنے جاگیردارانہ تعصّبات سے ذرا برابر دست بردار ہوئے، آخراً اسے- کہ جس کے لیے زمین کی کاشت اور بذاتِ خود زمین صرف حصولِ زر کا ایک ذریعہ ہے جو اسے تحفتہً ملتا ہے- اپنے لگان دار کسان پر نگاہ کر کے کہنے دیں کہ کیا وہ کودبھی وہ ''شائستہ''، فریب خوردہ، احمق بدذار نہیں جو اپنے من میں اور حقیقت میں بھی عرصے سے آزاد صنعت اور چہیتی تجارت کا ہو چکا ہے چاہے وہ تاریخی یادوں اور معاشرتی یا سیاسی مقاصد سے متعلق جتنی زیادہ بک بک کرتا ہے۔ ہر دلیل جو ہوا اپنے آپ کو برحق ثابت کرنے کے لیے پیش کرت اہے صرف زمین کے جوتنے والے (یعنی سرمایہ داروں اور مزدوروں) کو زیب دیتی ہے جن کا زمین دار دشمن ثابت ہوتا ہے۔ اس طرح وہ اپنے ہی خلاف گواہی دیتا ہے۔ بنا سرمائے کے زمینی ملکیت مردہ اور بےحیثیت چیز ہے۔ قابلِ انتقال ملکیت کی تہذیبانہ فتح انسانی محنت کو منکشف کرنا اور اسے مردہ چیز کی بجائے دولت کا ذریعہ بنانا ہے

حقیقی پیش رفت (اس مقام پر یہ امر دلچسپی سے تہی نہیں ہوگا) سرمایہ دار کی زمین دار پر (یعنی ترقی

یافتہ ملکیت کی نا ترقی یافتہ، نا پختہ نجی ملکیت پر) پر لازمی فتح کا باعث بنتی ہے، بالکل ایسے ہی جیسے عموماً حرکت سکوت پت فتح پا جاتی ہے-عیاں، خود آگاہ کمینگی؛ نہاں، بے خبر کمینگی پر، طمع تن آسانی پر، روشن خیالی کا مسلمہ طور پر مضطرب، مستعد ذاتی مفاد توہم پرستی کی کلیسائی،، سادہ لوح، فریب خوردہ ذاتی مفاد پر اور روپیہ نجی ملکیت کی دیگر صورتوں پر فتح مندر ہتا ہے۔

وہ ریاستیں جنہیں مکمل ترقی یافتہ، آزاد صنعت، مکمل یرقی یافتہ خالص ---اور لوگوں کے مابین تجارت کے فروغ دینے والے دوستانہ تعلقات کی مکمل ترقی سے خطرے کی بو آتی ہے زمینی ملکیت کی سرمائے میں تبدیلی کی روک تھام کی بے سود کوشش کرتی ہیں۔

زمینی ملکیت اپنے سرمائے سے فرق میں ایسی نجی ملکیت-سرمایہ- ہے جو ابھی بھی مقامی اور سیاسی تعصّبات میں مبتلا ہے؛ یہ ایسا ہے جس نے ابھی دنیا سے اپنی مغائرت سے خود کو بار بار نہیں کیا-سرمایہ جس نے ابھی مکمل ترقی نہیں پائی۔ اسے اپنے محیطِ عالم ارتقاء کے راستے میں اپنا مجرد، یعنی اپنا خالص (نرا) اظہار پالینا چاہیے۔

نجی ملکیت کے تعلق محنت اور سرمایہ اور ان دونوں کے مابین تعلقات ہیں۔

وہ حرکت جن سے ان ترکیبی اجزاء کو گزرنا پڑتا ہے، یہ ہے:

(اولاً) ان دونوں کے غیر مرتبط یا مرتبط اتحاد

اول اول سرمایہ اور محنت متحد ہی ہوتے ہیں۔ پھر، اگر وہ جدا اور مغائر ہو جاتے ہیں، وہ باہم ایک دوسرے کو بصورت مثبت حالات کے ترقی دیتے اور پروان چڑھاتیہیں۔

(ثانیاً) دونون مخالفت میں باہم ایک دوسرے کو خارج کرتے ہیں۔ مزدور اور سرمایہ دار میں سے ہر دو دوسرے کو اپنا عدم وجود سمجھتا ہے: ہر دو دوسرے سے اس کا وجود چھیننے کی کوشش کرتا ہے۔

(ثالثاً) ہر دو کی اپنے آپ سے مخالفت۔ سرمایہ- ذخیرہ شدہ محنت-محنت۔ سرمایہ-سرمایہ بذاتِ خود سرمائے میں اور آخر الذکر پھر سود اور منافع میں دو نیم ہو جاتا ہے۔ سرمایہ دار مکمل طور پر بھینٹ چڑھ جاتا ہے۔ وہ مزدور طبقے کا حصہ بن جاتا ہے جبکہ مزدور (لیکن صرف معدودے چند معاملات میں) سرمایہ دار بن جاتا ہے۔ محنت بطور سرمائے کے حرکی مرحلے کے-اس کی اجرتوں کے۔ اس طرح محنت کی اجرتیں-سرمائے کی قربانی۔

محنت کا بذاتِ خود محنت کی اجرتوں میں دو نیم ہونا۔ مزدور بذاتِ خود ایک سرمایہ، ایک بکاؤ مال۔
مخاصمانہ باہمی مخالفت۔